جلد 5 شمارہ 3 مئی 2003ء ربیع اول 1424ھ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ○ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ○ (الاعلیٰ 14-15)

بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا

اللہ

محبت

صداقت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

Registerd

CPL No. 491

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض ومقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالی کے قرب وعرفان اور اسکی رضا ولقاء کے حصول کو مقصودِ حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے صحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔

موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اورادو اذکار کی تلقین۔

- غصہ ونفرت، حسد وبغض، تجسس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کرکے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تطہیر قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کرکے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالی کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ
آدمیت
گوجرانوالہ
فلاح

عالمی محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیادگار خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 5 شمارہ 3 مئی 2003ء ربیع اول 1424ھ

ایڈیٹر
وحید احمد

قیمت ——— -/15 روپے
سالانہ فنڈ ——— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد توحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:0431-893535

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-293379

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

مادی زندگی کا کوئی پہلو مومن کے دم سے قائم نہیں، وہ اگر کسی ملک سے چلا جائے تو اس کی ظاہری زندگی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔ دنیا جسطرح کھاتی کماتی ہے۔ کھاتی کماتی رہے گی۔ انسان جس طرح جیتے مرتے ہیں۔ جیتے مرتے رہیں گے، مگر یاد رہے کہ زندگی کی روح نکل جائے گی اور وہ ایک بے جان جسم ہو کر رہ جائے گی۔ عقل کے اس بت کدہ میں جہاں خود پرستی اور شکم پرستی کے سوا کچھ نہیں وہی ایک مجذوب ہے۔ جس کے عشق و مستی سے اس عالم میں گرمی و ہنگامہ ہے وہ اگر نکل جائے تو دنیا صرف تجارت کی منڈی اور زندگی فقط ناؤنوش ہے، زندگی کے اس (گمان آباد) میں وہی ایک صاحب یقین ہے جس کا یقین ٹوٹے ہارے دلوں کا سہارا اور ناکامی وناامیدی کے سمندر میں ڈوبنے والوں کے لئے کنارہ ہے۔ خودغرضی وخود مطلبی کے اس بازار میں وہی ایک صاحبِ ایثار ہے جو اپنی جان پر کھیل جاتا ہے اور اپنا سرمایہ دوسروں کے لئے لٹا دیتا ہے۔ بے حس انسانوں کی دنیا میں جو سینہ میں دل کی جگہ پتھر کے سل رکھتے ہیں وہی ایک صاحب محبت ہے جو سارے جہاں کا درد اپنے جگر میں رکھتا ہے اور اپنے سوز سے خود ہی جلتا اور پگھلتا رہتا ہے۔ ہر زمانہ میں فقر پر امارت کو، گدائی پر بادشاہی کو، آخرت پر دنیا کو، غیب پر شہود کو، ایمان پر جان کو قربانی کرنے کی اسی میں سب سے زیادہ ہمت ہے۔

اس پر کسی ملک کا احسان نہیں کہ اس نے اس کو مہمان بنایا اور رہنے کو جگہ دی، اس کا ہر ملک پر احسان ہے کہ اس نے اس کو توحید خالص کا پیغام سنایا، انسان دوستی اور عدل و مساوات کا سبق پڑھایا، انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نکالا، غریب اور امیر اونچ نیچ کو ساتھ بیٹھنا سکھایا، عورت کو اس کا حصہ دلایا اور اس کے ساتھ انصاف کرنا سکھایا، انسانیت کا احترام کرنا بتایا، زندگی کا زیادہ بامعنی انسانیت کا زیادہ بلند اور دنیا کا زیادہ وسیع تصور بخشا، نسل پرستی، دولت پرستی، شاہ پرستی سے نجات دی۔ ترک دنیا، تجرد، نسل کشی، آدم بیزای۔۔۔۔ ہزاروں برس کے اوہام و مفروضات کا طلسم توڑا، عقل کو بندھنوں سے آزاد کیا، ذاتی عمل اور کوشش کی اہمیت واضح کی، آج دنیا علم و عقل کی جس منزل پر ہے کون نہیں جانتا کہ یہ اسی کی جگر سوزی کا نتیجہ ہے۔ جو کبھی انسانیت کا قافلہ سالار تھا، آج یورپ علم و عقل میں دنیا کا استاد بنا ہوا ہے کون نہیں جانتا کہ اہل اندلس کی نگاہ نے صدیوں اس کی تربیت کی ہے اور حیوانات کی سطح سے اس کو بلند کیا ہے۔

مسلمان کسی قوم ونسل اور اسلام کسی رسم و رواج اور کسی ترکہ و میراث کا نام نہیں، وہ ایک دعوت و پیام اور ایک سیرت و زندگی ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کی نظر مادیات و محسوسات

اور جسم و جان سے تعلق رکھنے والی محدود دنیا سے زیادہ وسیع ہو اس کی ہمت شکم پری اور تن پوشی کی سطح سے بلند ہو، اس کا گھر ایک وطن کی چار دیواری سے زیادہ وسیع ہو، اس کا دل انسانیت کے احترام سے معمور اس کی ہمدردی قوم و نسل کے حدود اور ملک و وطن کے قیود سے آزاد ہو، اس کی تگ و دو اور پرواز موت ہی تک نہ ہو اس کا مطلب ہے کہ اس کے پاس جسم کے ساتھ قلب و روح کی تسکین کا بھی سامان ہے، اس کے پاس وہ ایمانی طاقت اور اخلاقی تعلیم ہے جو اندھیرے اجالے، مجمع اور تنہائی، فقیری اور بادشاہی، بے بسی اور اختیار مطلق میں پابند قانون رکھ سکتی ہے، اس کے پاس ظن و تخمین و قیاسات و تجربات کے بجائے علم کی پختہ بنیادیں اور محکم اصول ہیں جو ہر زمانہ اور ہر ملک میں جاری ہو سکتے ہیں، اس کے پاس مختلف الحال انسانوں اور مختلف زمانوں کی رہنمائی کے لئے ایسی جامع اور مکمل ہستی کی محفوظ زندگی ہے، جس کے علم و عمل کا سرچشمہ قیاس و تجربہ اور جذبات و خواہشات نہ تھے، جو ہر زمانہ کو معتدل زندگی، متوازن تمدن اور جامع انسانیت کا پیغام دے سکتی ہے، ظاہر ہے کہ دنیا کو اپنی ترقی و تنزل کے ہر دور میں اور ملک کو ہر انقلاب میں اس کا وجود مبارک ہے جو اس پیغام کی حامل اور ان صفات سے متصف ہو، ایسی جماعت کا وجود کسی حصہ زمین میں بھی کسی کی رعایت اور احسان نہیں بلکہ خالق کائنات کا عین منشاء اور زندگی کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

جب رات کی تاریکی دن کی روشنی کو چھپا لیتی ہے۔ جب ہوا و ہوس کا لشکر ہر طرف سے امنڈ آتا ہے، جب ایک انسان اپنے پیٹ کی خاطر اپنے بھائی کا گلا کاٹنے لگتا ہے۔ جب قومیں اپنی انانیت اور تکبر میں کمزور قوموں کو ہضم کرنے لگتی ہیں۔ جب دولت کا بت علانیہ پجنے لگتا ہے۔ جب وطن اور قوم کی دیوی پر انسان بھینٹ چڑھنے لگتا ہے، جب انسان اپنی قوت و دولت کے نشہ میں خدائی کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔ جب ذخیرہ اندوزی اور نفع بازی کی مصیبت سے انسان دانہ دانہ کو ترسنے لگتا ہے۔ جب نفس کی آگ بھڑکتی ہے اور دل کی روشنی بجھتی ہے۔ جب موت کا خیال دل سے بالکل نکل جاتا ہے جب زندگی کے بازار میں ذی روح انسان کی قیمت گر جاتی ہے اور بے جان دھاتوں اور جمادات کی قیمت چڑھ جاتی ہے، جب عریانی و بے حیائی گناہ و معصیت کا دنیا پر دور دورہ ہوتا ہے اور وہ علم و فن بن جاتے ہیں جب اغراض و خواہشات کے سوا دنیا میں کسی کی حکومت نہیں معلوم ہوتی اور تمام دنیا میں فساد پھیل جاتا ہے تو روحِ کائنات اس مرد خدا کو آواز دیتی ہے۔

والسلام (وحید احمد)

بھنوں کے نام

(صدیق ڈار توحیدی)

مورخہ 9 مارچ 2003ء بروز اتوار مرکز تعمیر ملت پر "یوم مستوارت" کی تقریب منعقد ہوئی جس میں گوجرانوالہ، گکھڑ، سوہاوہ، ڈسکہ اور جڑانوالہ کے بھائیوں کی بیگمات اور بیٹیاں شریک ہوئیں۔ اس موقع پر شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب نے جو تقریر فرمائی اس کی تفصیل بہنوں کے استفادہ کے لئے پیش خدمت ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِینَ ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ خَاتَمَ النَّبِیِّنَ وَ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ ۔

قابل احترام بہنو اور عزیز بیٹیو۔ **اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُهٗ**

☆۔ سب سے پہلے ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے اپنے فضل وکرم سے ہماری یہ دیرینہ خواہش پوری فرمائی اور پیر بہنوں کو اپنے مرکز پر اکٹھا ہونے اور مل بیٹھنے کا موقع عطا فرمایا۔ میں آپ سب کی تشریف آوری پر آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے گھریلو مصروفیات کو چھوڑ کر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر سفر کی زحمت اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے، روحانی اور مادی نعمتوں سے مالا مال کرے اور دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے۔ آمین! ۔ (ایصال ثواب ثمینہ بنت محمد طالب + سید محمد ادریس)

☆۔ آپ سب کو یہاں بلوانے کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ آپ کو سلسلہ عالیہ توحیدیہ اور اس مرکز کے اغراض ومقاصد سے متعارف کرایا جائے تاکہ آپ کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا چراغ روشن ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق زندگی گزارنے کا ولولہ پیدا ہو اور آپ سب اللہ کے فضل سے اس کی مقرب بندیوں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے آپ سب اس حقیقت پر ضرور ایمان رکھتی ہیں کہ زمین وآسمان اور ان کے درمیان ہر قسم کی مخلوق بشمول انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ اور اس بات پر بھی کہ دنیا کی

زندگی اور اس کی تمام رونقیں عارضی ہیں اور اصل زندگی آخرت کی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی اور اس دنیا میں ہم جو بھی اعمال سرانجام دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کا مکمل ریکارڈ تیار کر رہے ہیں اور ان کی جزا یا سزا ہمیں ضرور ملے گی۔ آخرت میں ہماری نجات کا دارومدار ایمان کے زبانی اقرار پر نہیں بلکہ ایمان اور عمل دونوں پر ہے اسی لئے قرآن کریم میں اٰمَنُوْ وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰت۔ کی تکرار پائی جاتی ہے۔ مکافاتِ عمل کا یہ قانون مردوں اور عورتوں کے لئے یکساں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

☆ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (النحل۔ 97)

ترجمہ۔ ''جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہوگا تو ہم اس کو پاک زندگی سے زندہ رکھیں گے اور آخرت میں ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔''

☆۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۔ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ (النساء۔ 32)

ترجمہ۔ ''مردوں کو اُن کاموں کا ثواب ملے گا جو انہوں نے کئے اور عورتوں کو اُن کاموں کا ثواب جو انہوں نے کئے اور اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

اسی [illegible] قرآن کریم میں عورتوں کو ہدایت کے لئے دو بڑی پیاری مثالیں دی گئی ہیں۔ ایک تو فرعون کی بیوی کی ہے جو کہ مومنہ اور صالحہ تھی تو فرعون کی گمراہی نے اسے کچھ ضرر نہیں پہنچایا۔ دوسری مثال حضرت لُوط علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیویوں کی ہے جن کا کردار اچھا نہ تھا تو پھر ان کے خاوندوں کی نبوت انہیں عذاب سے بچا نہ سکی۔ اس لئے ہر مرد و زن کو اپنی اپنی فکر کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آگاہ کر دیا ہے کہ ''قیامت کے دن انسان دور بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے'' (عبس۔34تا36)

اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین کو حکم فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچانے کا اہتمام کرو۔ اس لئے مومن مرد اور مومن عورتیں نہ صرف خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کی اطاعت میں زندگی گذارتے ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی آخرت کے عذاب سے بچانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

☆۔ **والمومنون والمومنت بعضهم اولياء بعض يامرون بالمعروف و ينهون عن المنكر و يقيمون الصلوة و يوتون الزكوة و يطيعون الله و رسوله اولئك سيرحمهم الله ان الله عزيز حكيم۔** (التوبۃ۔71)

ترجمہ۔ ''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے حمایتی ہیں۔ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوۃ دیتے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں جن پر اللہ رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ آئین حیات میں داخل ہو جانا گویا اندھیروں سے نکل کر اُجالوں اور گمراہیوں کی بھول بھلیوں سے نکل کر سیدھی صاف اور روشن شاہراہ پر آ جانا ہے۔ قرآن وسنت کے اتباع سے انسان کی شخصیت پر ایک نیا رنگ چڑھتا ہے جسے قرآن کریم میں **صبغة الله** ۔ یعنی اللہ کا رنگ فرمایا گیا ہے۔ مومن عورتوں پر یہ رنگ چڑھنے سے جو کردار بنتا ہے اسے بڑے خوبصورت الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

☆۔ **مُسلِمٰتٍ مومنت قنتت تئبت عبدت سحت ثيبت و ابكارا۔** (التحریم۔5)

ترجمہ۔ ''مسلمان، صاحب ایمان، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گذار روزہ رکھنے والیاں بن شوہر اور کنواریاں''

میری بہنو۔ اخلاص عمل اور حسن اخلاق کا انحصار یقین آخرت پر ہے۔ جب یہ دولت نصیب ہو جائے تو پھر سستی، غفلت اور وقت نہ ملنے کے سارے بہانے ختم ہو جاتے ہیں اس کے لئے ضروری ہے کہ جو اہل یقین یعنی اللہ والے لوگ ہیں ان کی مجالس میں حاضری اور ذکر کا اہتمام کیا

جائے تا کہ دلوں کا زنگ اور سیاہی دور ہو، اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار ہو اور آخرت کی فکر بڑھتی رہے۔
محبت والے لوگ تو فرائض کی پابندی کے علاوہ نوافل کو بھی قرب الٰہی کا وسیلہ بناتے اور اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہر وقت اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ ان کی شان اللہ تعالیٰ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

☆۔ **ان المسلين والمسلمت والمومنين والمومنت والقنتين والقنتت والصدقين والصدقت والصبرين والصبرت والخشعين والخشعت والمتصدقين والمتصدقت والصائمين والصئمت والحفظين فروجهم والحفظت والذكرين الله كثيرا والذكرت اعد الله لهم مغفرة واجرا عظيما۔** (احزاب۔35)

ترجمہ۔ ''مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں۔ اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔ اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں۔ اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں۔ اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں۔ اور اپنی عصمتوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں۔ کچھ شک نہیں کہ ان کے لئے اللہ نے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

آپ نے ملاحظہ فرمایا کس خوبصورت انداز سے مومن مردوں اور عورتوں کے اخلاق کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ہماری تگ و دَو یہ ہونی چاہیے کہ مذکورہ صفات ہمارے کردار کا جزو بن جائیں تا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں اور آخرت میں نعمتوں بھری جنتوں میں داخل فرما دیں جن کے بارے میں ایک جگہ ارشاد ہوا ہے۔

☆۔ **وعدالله المومنين والمومنت جنت تجرى من تحتها الانهر خلدين فيها و مسكن طيبة فى جنت عدن و رضوان من الله اكبر ذلك هوالفوز العظيم۔** (التوبۃ۔72)

ترجمہ۔ ''اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے بہشتوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے

نہریں بہ رہی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بہشت ہائے جاودانی میں نفیس مکانات کا اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے"

اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے رزق میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی قرآن کریم میں بہت تاکید آئی ہے۔ فرض زکوٰۃ کے علاوہ جو مرد اور عورتیں صدقہ دیتی رہتی ہیں اللہ تعالیٰ اسے قرض حسنہ قرار دیتا ہے اور اس سے کئی گنا واپس لوٹا دیتا ہے۔ میری بہنو۔ اگر زکوٰۃ فرض نہ بھی ہو پھر بھی صدقہ سے کبھی ہاتھ نہ کھینچیں بلکہ جتنی توفیق ہو اتنا ہی دے دیا کریں۔ تنگی ترشی کی حالت میں دیا ہوا تھوڑا سا مال بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اجرِ عظیم کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صدقہ کے ذریعے اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ چاہے وہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اس پر غور کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور نہیں بلکہ کھجور کا ٹکڑا فرمایا ہے۔ کیونکہ خلوص و محبت سے دی ہوئی معمولی سی چیز کو بھی اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرما دیتا ہے۔ صدقات دینے والوں کا ذکر قرآن کریم میں خصوصی طور پر کیا گیا ہے۔

☆۔ان المصدقین والمصدقت واقرضوالله قرضا حسنا یضعف لهم ولهم اجر کریم۔ (الحدید۔18)

ترجمہ! "جو خیرات کرنے والے مرد ہیں اور خیرات کرنے والی عورتیں ہیں اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے ہیں اُنکو دو چند ادا کیا جائے گا اور ان کے لئے عزت کا صلہ ہے"

اس کے علاوہ ایک نہایت اہم حکم کا ذکر کرنا بہت ضروری ہے جو مومن عورتوں کے لئے مخصوص ہے اور وہ پردے کے بارے میں ہے۔ اس سے عورت کی عزت، عظمت اور قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے جو دین اسلام میں ہے۔ کیونکہ فطرت اور انسان دونوں ہی اپنی قیمتی اشیاء اور جواہر کو چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے عورتوں کے لئے خاص حکم نازل فرمایا۔

ترجمہ!۔ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم مومن عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ اور اپنی آرائش و زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہے۔ اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں۔ اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی عورتوں اور لونڈی

غلاموں کے سوا۔ نیز ان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں سے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں کسی پر اپنی زینت اور سنگار کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں۔ اور اپنے پاؤں نہ ماریں کہ پوشیدہ زیور وغیرہ معلوم ہو جائے اور مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ"۔ (النور۔31)

میری بہنو اور بیٹیو! ۔ ہر اچھے کام اور اعلیٰ مقام کے لئے محنت تو کرنا پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضا کے حصول کے لئے بھی جدو جہد لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے دین کو ہمارے لئے بہت ہی آسان بنا دیا ہے اور کسی انسان پر اس کی سکت سے زیادہ بوجھ ہر گز نہیں ڈالا۔ اس لئے ہم سب کو اس کے قرب و رضا کی عظیم نعمت کے حصول کے لئے پوری ہمت صرف کرنا ہوگی۔ اس کے لئے دنیا کو ترک کرنے کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی اس کی اجازت ہے۔ بلکہ اسلام میں اپنے فرائض منصبی اور حقوق العباد احسن طریقہ سے ادا کرنے کو ہی روحانی ترقی کا زینہ قرار دیا گیا ہے۔ یعنی دنیا کی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے دین کے تحت کرنا ہے۔ دنیا کو چھوڑنا نہیں بلکہ اس کا رُخ آخرت کی طرف موڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی، ذہنی اور روحانی صلاحیتیں آپ کو دے رکھی ہیں اور جو مادی وسائل عطا کر رکھے ہیں انہیں اپنے خالق و مالک کی رضا کے حصول کے لئے لگا دو۔ اگر ہم نے ایسا کر لیا تو اللہ ہمیں دنیا اور آخرت میں سرخرو فرمائے گا۔ اس کے برعکس اگر ہم نے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کو بھلا کر دنیا اور اس کی فانی لذتوں ہی کو مقصود حیات بنا لیا تو پھر اس سے بڑا نقصان اور کوئی نہ ہوگا۔ یہی اسلام کی روح اور قرآن کا پیام ہے اور سلسلہ توحیدیہ اسی تعلیم کی ترویج کے لئے قائم کیا گیا ہے۔

میری اور آپ کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کی بیویوں یعنی ہماری ماؤں کے نام جو پیغام قرآن کریم میں دیا ہے اسے غور سے پڑھیں گی تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ ارشاد ہوا

☆۔ ترجمہ "اے نبی ﷺ اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی خواستگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے کر اچھی طرح رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ، اس کے رسول ﷺ اور آخرت کے گھر کی طلبگار ہو تو تم میں جو نیکوکاری کرنے والی ہیں ان کے لئے اللہ نے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔" (الاحزاب۔28)

اس لئے میری بہنواور بیٹیو! قرآن کریم کا ترجمہ کے ساتھ مطالعہ کرتی رہا کروتا کہ اس سے ہدایت حاصل کرسکواوراس کے نور سے اپنے اخلاق منور کرسکو۔ اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والوں کے لئے دنیاوآخرت میں بے شمار نعمتوں کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ سورت المومن کے شروع میں یہ بشارت بھی سنادی کہ ''وہ فرشتے جوعرش کواٹھائے ہوئے ہیں وہ اپنے لئے نہیں بلکہ اہل ایمان کے لئے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ انہیں دوزخ سے بچا کر جنتوں میں داخل فرمااوران کے باپ دادا، اور انکی بیویوں اور انکی اولادیں سے جونیک ہوں ان کوبھی۔ بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔''

آپ نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے ہماری مغفرت کے لئے کیسے کیسے انتظامات کر رکھے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ کوشش کریں تا کہ ہماراشمار اہل ایمان کے زمرے میں کیا جائے۔

اب آخر میں حضور رحمتہ اللعالمین ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ جس میں عورتوں کے لئے حصول جنت کا نہایت مختصراور آسان نسخہ بیان کیا گیا ہے آپ کوخوشخبری کے طور پر سنانا چاہتا ہوں حضورؐ نے فرمایا:۔

''جوعورت پانچوں نمازوں کوادا کرتی رہے۔ اوراپنے شوہر کی فرمانبرداری کرتی رہے تو اسے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے تم چاہو داخل ہو جاؤ'' سبحان اللہ سبحان اللہ (مسند امام احمد بن حنبل) مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو باتیں میں نے آپ کے گوش گذار کی ہیں آپ ان پر عمل پیرا ہو کر اللہ کی رحمت سے اپنی جھولیاں بھرلیں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کے دلوں کواپنے نور سے منور فرمائے۔ برائی کا جواب نیکی سے دینے اوراپنی مخلوق کی خدمت اور اصلاح کی ہمت سے نوازے، بال بچوں کی خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے اور آپ کے گھروں کومحبت کے گہوارے اور جنت کے نمونے بنادے۔ آمین یارب العالمین۔

درس حدیث

(رانا اعجاز احمد)

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال امرت ان اقاتل الناس حتی لیشھدوا ان لا الہ الا اللہ و ان محمد رسول اللہ یقیموا الصلوۃ و یوتوا الزکوۃ فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماء ھم واموالھم الا بحق الاسلام و حسابھم علی اللہ (رواہ بخاری ومسلم)

"عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو جب وہ یہ کام کرلیں تو مجھ سے اپنے خون اور اپنے مال بچالئے سوائے اس کے کہ اسلام کا حق ہو اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔"

جہاد کی فرضیت:۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالے کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ میں کفار و مشرکین کے خلاف جنگ کا اعلان کردوں اور اس وقت تک لڑائی جاری رکھوں جب تک کہ وہ اسلام کی بنیادی باتوں کا اقرار نہ کرلیں۔

حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ لوگوں کے ساتھ مسلمان ہونے تک جنگ جاری رکھی جائے اور ان کو مجبور کیا جائے کہ وہ کلمہ شہادت پڑھیں اور مسلمان ہو جائیں ۔حالانکہ قرآن مجید میں یہ صاف اور واضح حکم ہے۔ **لا اکراہ فی الدین**۔ دین کے داخل ہونے کے معاملے میں کوئی مجبوری نہیں ۔ہدایت اور گمراہی دونوں واضح ہو چکی ہیں دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے۔ **فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر** ۔پس جو آدمی چاہے کفر اختیار کرے ،اس لئے زیر مطالعہ حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا جائے ۔حضور اکرم ﷺ کا عمل بھی اس کے خلاف گواہی دے رہا ہے۔ کیونکہ آپ نے حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ سے دس سال کے لئے صلح کا معاہدہ کیا تھا۔ اگر مسلمان ہونے تک جنگ جاری

رکھنا فرض ہوتا آپ صلح کیوں کرتے۔

دراصل اس حدیث سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر کفار مسلمانوں پر حملہ کر دیں تو ان کے خلاف پوری قوت سے جنگ کرنے کا حکم ہے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہیں رکھی جا سکتی اقاتل کا لفظ یہ بتاتا ہے کہ دوسری طرف سے لڑائی کرنے والا گروہ موجود ہے قرآن مجید میں بھی متعدد آیات میں لڑائی کا حکم ان کافروں کے متعلق ہے جو فتنہ فساد پر آمادہ ہوں اور مسلمان کو چین سے زندگی گزارنے کا حق دینے پر امادہ نہ ہوں **وقاتلوهم حتی لاتکون فتنة** (اور ان سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ جنگ کے نتیجے میں (اگر کفار مغلوب ہو جائیں تو ان کے دو اختیار ہیں۔ ایک یہ ہے کہ انہیں کہا جائے کہ کلمہ توحید پڑھ کر مسلمان ہو جائیں اور اس طرح ان کا درجہ اور مسلمان کا درجہ برابر ہو جائے یہ حدیث اسی پہلے اختیار کر طرف اشارہ کر رہی دوسرے اختیار کا ذکر قرآن مجید میں ہے کہ جزیہ ادا کریں اور مسلمان ان کی حفاظت کے ہر طرح ذمہ دار ہوں گے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کچھ لوگ نماز پڑھنے سے انکار کر دیں یا زکوٰۃ سے منکر ہو جائیں تو ان کے خلاف جہاد کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی کافر کلمہ پڑھ لے تو اس کے خلاف جنگ ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ دلوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مسلمان کو ظاہری صورت حال کا اعتبار کرنا چاہیے اس کی وضاحت ایک دوسری حدیث میں یوں آئی ہے۔

جس نے **لااله الا الله** پڑھ لیا اس کا خون اور مال دوسرے مسلمان پر حرام ہو گیا رہے اس کے اعمال تو ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے ایک صحابی نے عرض کیا اگر کوئی کافر دوران جنگ میرا ہاتھ کاٹ ڈالے اور پھر درخت کی اوٹ میں جا کر کہے کہ میں نے اسلام قبول کیا۔ تو کیا میں اسے قتل کر سکتا ہوں رسول اللہ نے فرمایا ہرگز نہیں۔

الا بحق الاسلام ۔سوائے اسلام کے حق کے اس کا مطلب یہ ہے کہ حدود و قصاص کی وجہ سے اگر کسی مسلمان کی جان مال لینا پڑے تو جائز ہے کیونکہ مسلمان ہونا کسی کو شرعی سزا سے نہیں بچا سکتا۔

عبادات

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

5۔ نماز کا دوہرا فائدہ

جو آدمی دولت کی زیادتی یا دوسری وجوہات سے بیکار ہوں اور صبح سے شام تک سوائے کھانے پینے اور پڑے رہنے کے اور کوئی شغل نہ ہو تو نماز اُن کے لئے عین عمل بن جاتی ہے اور پڑے رہنے سے جو کسل اور سُستی پیدا ہوتی ہے اس کو دور کر دیتی ہے۔ برخلاف اس کے جن آدمیوں کو بے انتہا کام ہو اور سر اٹھانے کی فرصت بھی نہ ملے۔ اُن کے لئے دوران کار میں نماز پڑھنا عین آرام و راحت اور سکون کا باعث ہوتا ہے۔ یاد رکھئے حقیقی سکون و آرام اُسی وقت ملتا ہے۔ جب دماغ تفکرات سے بالکل پاک ہو اور یہ بات نماز میں بدرجہ اولیٰ حاصل ہوتی ہے۔

6۔ نماز سے سکون و اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے

جب تفکرات دنیا انسان کو حد سے زیادہ پریشان کر دیں۔ چاروں طرف مایوسی اور بیچارگی کا عالم ہو اور کوئی یار و مددگار نظر نہ آئے تو نماز ہی سے انسان کو سکون قلب حاصل ہوتا ہے اکثر انسان ایسے حالات میں خودکشی تک کو تیار ہو جاتے ہیں لیکن نماز ان خیالات کو بدل دیتی اور پائے ثبات کو ڈگمگانے سے روک لیتی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ بے شک اطمینان قلب اللہ کی یاد ہی سے میسر آتا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ جب تم پر کوئی مصیبت پڑے تو صبر اور نماز سے مدد لو۔

7۔ نماز برائیوں سے بچاتی اور اخلاق کو سدھارتی ہے

چنانچہ قرآن میں ہے۔ **ان الصلوة تنهاعن الفحشاء والمنكر** لیکن افسوس کہ مشاہدہ اور تجربہ آجکل اس کے خلاف ہے۔ اکثر مغرب زدہ اصحاب اس مشاہدہ اور تجربہ کی بناء پر اس آیت کی صداقت ہی کا انکار کرتے ہیں۔ اور نہ صرف نماز کے فوائد بلکہ خود نماز ہی سے منکر ہیں اب بتایئے ہم انھیں کیسے سمجھائیں۔ کلام ربانی تو غلط ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جو لوگ باوجود نمازی ہونے کے دنیا بھر کے جھوٹے، چور اور دغاباز ہوتے ہیں، رشوت لیتے ہیں کم تولتے ہیں کم ناپتے ہیں، چور بازاری کرتے ہیں، غیبت کرتے اور چغلیاں کھاتے ہیں دوسروں کے اعمال کی جستجو میں رہتے ہیں۔ وعدہ کر کے پورا نہیں کرتے۔ مسلمانوں میں انفرادی اور اجتماعی

تفرقے ڈالواتے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اپنا الو سیدھا کرتے رہتے ہیں ان کی نماز نماز ہی نہیں ہوتی۔ وہ یا تو ریاکاری سے محض دنیا دکھاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ یا پھر ان کی نماز فقط رسمی ہوتی ہے۔ جس میں نہ خلوص ہوتا ہے نہ خشوع وخضوع نہ یاد باری تعالیٰ یہی ہیں وہ نمازی جن کی نمازیں قیامت کے دن ان منہ پر ماردی جائیں گی۔ اور کسی کام نہ آئیں گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ نماز کونسی ہے جو برائیوں سے بچاتی اور اخلاق سدھارتی ہے سنیئے بات یہ ہے کہ نماز نہ تو شعائر اسلام کا سب سے پہلا رکن ہے نہ سب سے آخری۔ نہ بذاتہ مقصود ہے۔ شعائر اسلام میں سب سے پہلی چیز ہے ایمان محکم اور سب سے آخری چیز ہے اخلاق کامل اور نماز جیسا کہ اوپر بیان کی ہوئی آیت سے ثابت ہوتا ہے ذریعہ ہے اس اخلاق کے حصول کا۔ ایمان پہلی چیز اس لیے ہے کہ اگر آدمی ایمان ہی نہ لائے تو نہ اس پر نماز فرض ہو نہ ارکان مذہب میں سے کوئی اور رکن۔ اخلاق آخری چیز اس واسطے ہے کہ اگر ساری نماز پڑھنے کے باوجود انسان کی برائیاں دور نہ ہوں اور وہ ایک نیک شہری نہ بن سکے تو یہ نماز معیار قرآنی کے مطابق بیکار ہے حتیٰ کہ اس کی بخشش کا سبب بھی نہ ہو سکے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ نماز نہیں پڑھتے بلکہ نماز کی نقل اتارتے ہیں یا نماز کا مذاق اڑاتے یا بیگار ٹالتے ہیں اسلیے اصل نماز جس سے اخلاق سدھرتا ہے وہ ہے جس کی بابت رسول کریم نے فرمایا ہے۔ **لا صلوۃ الا بحضور انقلب**۔ یا اللہ نے بتایا ہے کہ **اقم الصلوۃ لذکری**۔ یعنی وہ نماز جس میں اللہ کی حضوری حاصل ہو۔ یا اللہ کی یاد دل میں بسی ہوئی ہو۔ ایسی نماز کوئی پڑھے تو دیکھیں کیوں کر اس کے اخلاق نہیں سدھرتے ایسی نماز کا طریقہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ چوبیس گھنٹے اللہ کو یاد رکھو۔ تب ایسی نماز ہو سکتی ہے۔ نفسیات کا سیدھا سا مسئلہ ہے کہ دن بھر جو خیالات دماغ میں بسے رہتے ہیں۔ ارتقاء خیال کے وقت ردعمل کی وجہ سے ہی دماغ میں بار بار آتے ہیں۔ پس اگر دماغ میں ۲۴ گھنٹے اللہ ہی کا خیال جاگزیں رہے گا تو نماز میں بھی اللہ ہی یاد آئے گا۔

8۔ نماز احساس فرائض پیدا کرتی اور اس کو قائم رکھتی ہے۔

نماز فرض ہے اور اس کی ادیگی پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ کسی حالت میں بھی معاف نہیں۔ تم بستر مرگ پر ہی کیوں نہ ہو اور ہاتھ پاؤں جواب دے چکے ہوں لیکن ہوش باقی ہو اور نماز کا وقت آجائے تو اشاروں ہی سے پڑھ لینے کا حکم ہے۔ اس سختی اور تشدد سے مقصود یہی احساس پیدا

کرنا ہے کہ دنیاوی امور میں جو چیز تم پر فرض ہے اس کو مرتے مرتے بھی ادا کرنا ہے۔ کیا کوئی مذہب اس قسم کی عبادت پیش کرسکتا ہے؟

9۔ نماز روحانیت پیدا کرتی ہے

نماز اگر نماز کی طرح پڑھی جائے۔ یعنی اس میں اللہ یاد ہو تو اس سے رفتہ رفتہ حضوری قلب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی کیفیت بڑھتے بڑھتے اس احساس میں تبدیل ہو جاتی ہے کہ اللہ موجود ہے اور مجھ کو دیکھ رہا ہے یہی ایمان ہے جیسا کہ پیچھے بتایا جا چکا ہے۔

10۔ نماز ہی ولی کامل بناتی ہے

یعنی جب ایمان پیدا ہو جاتا ہے تو یہی نماز رفتہ رفتہ اس کو مرتبہ احسان تک پہنچا دیتی ہے جو ولایت ہے اس کا بیان پیچھے آ چکا ہے۔

یہ ہیں نماز کے فوائد اور نفسیاتی اثرات۔ اب ہم دعا کا کچھ بیان کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ایک بات یاد آ گئی وہ بیان کرتے ہیں۔ پھر دعا کا بیان کریں گے۔ وہ یہ کہ ساتویں فقرے میں جو ہم نے لکھا ہے کہ نماز اخلاق کو سدھارتی اور برائیوں سے بچاتی ہے اس کے متعلق قرآن میں پوری آیت یوں ہے۔ **ان الصلوۃ تنھا عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ الکبر** ترجمہ۔ بے شک نماز فحش اور بری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد تو سب سے بڑی (عبادت) ہے۔ تو اس آخری ٹکڑے کو آڑ بنا کر بہت سے مغرب زدہ اور نماز کے چور یوں کہتے ہیں کہ جب اللہ کو یاد کر لینا ہی سب سے بڑی عبادت ہے تو اتنا کافی ہے کہ چلتے پھرتے اس کو یاد کر لیا جائے نماز کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ جس اللہ نے یہ فرمایا ہے اُسی نے یہ بھی کہا ہے کہ **اقم الصلوہ لذکری** یعنی قائم کرو نماز کو میری یاد کے لئے۔ مطلب یہ ہے کہ نماز کو نماز کی طرح پڑھنا اور اُس کے پورے فوائد سے متمتع ہونا چاہتے ہو تو نماز میں اللہ کو یاد رکھو کیونکہ یاد رکھنا ہی سب سے بڑی عبادت ہے اور چونکہ آیت میں **لذکر اللہ اکبر** بعد میں آیا ہے اُس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ نماز بے شک برائیوں اور فواحش سے بچاتی ہے مگر یہ بات اسی حالت میں بدرجہ اتم حاصل ہو سکتی ہے جب کہ تم نماز میں اللہ کو یاد رکھو۔ اس کے علاوہ ہم ایسے لوگوں سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ کا فرمانا بجا اللہ کی یاد سب سے بڑی عبادت ہے لیکن قرآن میں اور جو سینکڑوں جگہ نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ تو کیا آپ قرآن کی بعض باتوں کو تو

مانیں گے اور بعض سے انکار کر دیں گے۔ اب ہم دعا کا بیان کرتے ہیں۔

دُعا

اگر چہ نماز خود ثناء اور دعا ہے لیکن نماز کے بعد اپنے اغراض و مقاصد کی دعا مانگنا بھی بہت ہی اہم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نماز میں جو حضوری اور قربِ خداوندی حاصل ہوتی ہے اُس کیف میں اگر دعا مانگی جائے تو اکثر قبول ہوتی ہے۔ بہت سے مسلمان دعا کے بھی منکر ہیں۔ وہ عجیب عجیب دلیلیں دیتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ ایک چیز کے لئے ایک ہی وقت میں دس یا سو آدمی دعا کرتے ہیں۔ تو کیسے ممکن ہے کہ وہ چیز سب کو مل جائے۔ وہ تو ایک ہی کو ملے گی۔ سبحان اللہ کیا منطق ہے۔ اس دلیل سے اتنا ہی تو ثابت ہوتا ہے کہ اس بارے میں صرف ایک ہی آدمی کی دعا قبول ہوگی۔ باقی کی نہیں ہوگی۔ یہ کہاں سے ثابت ہو گیا کہ دعا ہی نہ مانگو۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ٹھیکہ لے رکھا ہے یا وہ مجبور ہے کہ آپ جو دعا مانگیں وہ ضرور ہی قبول کرے۔ ورنہ آپ اُس سے ناراض ہو جائیں گے اور دعا مانگنا چھوڑ دیں گے۔ کیا دھونس ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر ایک ہی چیز کے لئے بہت سے آدمی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ جو علیم ہے۔ صرف اُسی شخص کی دعا قبول فرمائے گا جو اس چیز کا سب سے زیادہ مستحق ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہو اور نعوذ باللہ اللہ مجبور ہو کہ آپ کی ہر دعا قبول کرلے تو پھر آپ ایسے ایسے ناپاک مقاصد بھی دعائیں مانگ کر حاصل کر لیں گے۔ جن سے خود آپ کو بھی نقصان پہنچے گا اور نظام عالم بھی تباہ ہو جائے گا۔ ہر شخص بغیر عمل کے رزق اور روپیہ پیسہ حاصل کر لے گا اور عمل مفقود ہو جائے گا یعنی تمدن کا نام ونشان بھی نہ رہے گا۔ دراصل دعا کی سب سے بڑی ضرورت اور اہمیت یہ ہے کہ دعا سے ایک تو انسان کو اللہ کے آگے اپنی عاجزی اور محتاجی کا احساس اور یقین رہتا ہے۔ دوسرے دعا مانگتے وقت وہ اللہ سے اس قدر قریب ہو جاتا ہے اور ایک ایسا روحانی کیف اور یقین حاصل کرتا ہے۔ جس کا بیان ممکن نہیں۔ اب رہے وہ لوگ جن کی دعا قبول نہیں ہوتی تو اگر وہ مومن بندے ہیں تو اُن کو یقین کر لینا چاہیے کہ اس چیز کو اللہ ہمارے لئے مفید نہیں سمجھتا اس لئے ہماری دعا قبول نہیں کرتا۔ یہ سمجھ کر ان کو خدا کا شکر بجا لانا چاہیے کہ اس نے ہمیں ایک مضر شے سے محفوظ رکھا۔

روزہ

۱۔ اسلام کی تمام عبادتوں میں صرف روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے۔ جس میں انسان

اللہ کی ایک صفت کی نقل کرتا ہے۔ یعنی جس طرح اللہ جل مجدہ خورد و نوش سے پاک ہے۔ اسی طرح روزہ دار بھی رمضان کے دنوں میں صبح سے شام تک نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ گویا وہ اللہ کی ایک سنت پر کچھ دیر کے لئے عمل کرتا ہے۔ اگر روزہ دار اِس نکتہ کو ملحوظ رکھے تو اللہ تعالیٰ دن بھر اس کو یاد رہے گا اور اللہ کو یاد رکھنا ہی سب سے بڑی عبادت ہے۔ اس سے روزہ کو چار چاند لگ جائیں گے۔

۲۔ پاکیزگی اور طہارت روزے میں لازمی ہے۔ روزے میں نہ صرف جسمانی بلکہ قلبی پاکیزگی بھی بہت ضروری ہے۔ مہینہ بھر قلب کو پاکیزہ اور گندے خیالات سے بچائے رکھنے سے اس قدر روحانی لطافت اور طاقت پیدا ہوتی ہے جو برسوں میں بھی نہیں ہوسکتی۔

۳۔ صبر وتحمل اور قوتِ برداشت پیدا کرنے کی بڑی مشق ہوتی ہے جو اعلیٰ انسانی کردار پیدا کرنے کے لئے سب سے ضروری ہے۔ مگر افسوس کہ ہمارا مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ روزے میں مسلمانوں کو غصہ بہت زیادہ آتا ہے اور اس کے گھناؤنے مظاہر ہر گھر میں دیکھنے میں آتے ہیں۔ ایسے روزہ سے کیا فائدہ، روزے میں تو غصہ بالکل مر جانا چاہیے۔ مگر یہ تبھی ہوسکتا ہے جب کہ روزہ میں اللہ یاد ہو۔

۴۔ بھوک پیاس کو روکنے یعنی باوجود بھوک پیاس کے کچھ نہ کھائے پیے اور دوسری نفسانی خواہشوں کو نفی کرنے سے قوتِ ارادی بہت بڑھ جاتی ہے اور یہ چیز بھی اعلیٰ انسانی کردار پیدا کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔

۵۔ نماز کی طرح روزہ بھی ادائیگی فرض کا احساس پیدا کرتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ خواہ کتنی ہی تکلیف اور مشقت آن پڑے فرض کو پورا کر کے دم لو۔

۶۔ غریبوں کی بھوک پیاس اور فاقہ زدگی کا احساس اور اُن کی مدد اور خدمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جو تنظیم وارتباطِ ملت کے لئے بہت ضروری ہے۔

۷۔ گردو پیش کے تمام مسلمانوں کو روزے سے دیکھ کر نادانستہ طور پر یک جہتی اور اجتماعیت کی روح ترقی کرتی ہے۔

۸۔ دن بھر بھوکے پیاسے رہتے ہوئے جب انسان اپنے روزمرہ کے کام انجام دیتا رہتا ہے۔ مثلاً کوئی دفتر میں کام کرتا ہے۔ کوئی کارخانے میں، کوئی ہل چلاتا ہے، کوئی پتھر توڑتا ہے

تو اس سے مشکلات میں رہتے ہوئے بھی عمل کرنے کی بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے۔

۹۔ رمضان کے بعد عید کے دن جب سب مسلمان نماز کے لئے جمع ہو کر خوشی مناتے اور بے تکلفی سے کھاتے پیتے ہیں تو اس سے نہ صرف آپس کی محبت و اخوت میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اللہ کی نعمتوں کی صحیح قدر بھی ذہن نشین ہوتی ہے۔

۱۰۔ ماہ رمضان کا مجاہدہ یہ سکھاتا ہے کہ اگر تم زندگی میں اللہ کی نعمتیں یعنی دنیاوی راحت و آسائش حاصل کرنا چاہتے ہو تو کچھ عرصہ بھوک پیاس کی تکلیف اٹھاؤ۔ نفسانی خواہشوں پر قابو حاصل کرو۔ اخوت و محبت سے رہو۔ صبر یعنی برداشت کی قوت پیدا کرو اور اللہ کو یاد کرتے ہوئے برابر عمل کرتے چلے جاؤ۔ آخر میں تم دیکھو گے کہ تمہارا ہر روز عید ہے اور ہر شب شب برات۔

اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں میں نمازیوں کی نسبت روزہ دار بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے اوباش اور عیاش بلکہ چور اور ڈاکو تک رمضان کے مہینے میں پکے روزہ دار بلکہ پرہیز گار بن جاتے ہیں۔ لیکن ادھر رمضان ختم ہوا ادھر سب برائیاں اسی طرح موجود۔ یہ کیا بات ہے کیوں ان لوگوں کے اخلاق کی اصلاح نہیں ہوتی۔ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ دراصل ان مسلمانوں کو اللہ پر ایمان کامل نہیں۔ یعنی عقائد کی بنیاد کمزور ہے تو باقی عمارت کس طرح مضبوط ہو سکتی ہے۔ روزے کے دوران بلکہ تمام رمضان میں شاید ہی صحیح طور پر کسی کو احساس ہوتا ہو کہ اللہ موجود ہے اور ہم کو دیکھ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بجائے صبر و تحمل اور قوتِ برداشت کے عام طور پر روزہ داروں میں گھبراہٹ، چڑچڑاپن اور غصہ بہت زیادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ رمضان میں سینکڑوں مرتبہ یہ فقرہ سننے میں آتا ہے کہ "اُس سے نہ بولنا اس کو روزہ لگ رہا ہے" یا "اس وقت اس پر روزہ سوار ہے" وغیرہ وغیرہ

مسلمانو۔ خدا کے لئے اتنا تو سوچو کہ عبادت کرتے بھی ہو تکلیف اٹھاتے بھی ہو لیکن وہ مقصد حاصل نہیں کرتے جس لئے یہ سب کچھ فرض کیا گیا ہے۔ خدارا ذرا کوشش کرو اپنی عبادتوں کو صحیح طور پر انجام دو تا کہ انفراداً اور اجتماعاً دونوں طرح دین اور دنیا میں سرخرو اور کامراں ہو جاؤ۔

(جاری ہے)

آغاز حیات

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

کرہ ارض ایک اندازے کے مطابق پانچ ارب سال پہلے وجود میں آیا۔ ابتداً میں تو یہ جہنم کی طرح دہکتا ہوا ایک گولہ تھا۔ جہاں ہر طرف آتش فشاں ابلتا ہوا لاوا، گرم گیسیں اور آبی بخارات اُگل رہے تھے۔ آسمان بھی دھواں دار تھا جس میں سے وقتاً فوقتاً سورج کی روشنی کسی سوراخ کو چیرتی ہوئی زمین پر آ جاتی۔ البتہ آسمان پر بجلی کی گرج چمک اکثر رہتی۔ اُس وقت نہ تو کہیں خشکی تھی نہ سمندر اور نہ ہی کسی نوع کی زندگی کا کوئی وجود تھا۔ کروڑوں برس گذر جانے کے بعد زمین کی سطح کچھ ٹھنڈی ہوئی تو آتش فشانی کا عمل بھی کم ہو گیا۔ فضا میں جو آبی بخارات تھے وہ پانی بن کر زمین پر برس پڑے اور گہری جگہوں پر پانی کے ذخیرے وجود میں آ گئے۔ اس طرح وہ پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا جس سے حیات کا آغاز ہونا ممکن تھا۔

سائنسدانوں کے نزدیک اب یہ مسلمہ امر ہے کہ پانی کے بغیر کسی قسم کی زندگی وجود میں نہ آ سکتی تھی اس لئے آسمان سے پانی کے نزول کے عمل کو خصوصی اہمیت کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔ اللہ کی کتاب میں اس حقیقت کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے سورۃ الانبیاء، آیت 30 میں ارشاد ہوا:۔

وجعلنا من الماء کل شیی ء حی۔ ''ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز بنائی''

پھر سورۃ النور۔ آیت 45 میں حیوانی زندگی کی ابتدا کے بارے میں فرمایا۔ **واللہ خلق کل دابۃ من ماء** ''اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا''

شکاگو یونیورسٹی کے سائنسدانوں نے 1950ء کی دہائی میں ابتدائی تخلیق کے بارے میں لیبارٹری تجربات کئے۔ انہوں نے ابتدائی دور میں زمین پر موجود گیسوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان میں برقی شعلے گذارے تو ایک ہفتے کے بعد امینو ایسڈ نمودار ہوا جو کہ ہر قسم کی پروٹین کی بنیاد ہے۔ اسی طرح زندگی کو وجود میں لانے والے دوسرے ناگزیر عناصر بھی پیدا ہو گئے۔ پھر بھی یہ مسئلہ حل طلب ہی رہا کہ اگرچہ زمین پر زندگی کی پیچیدہ مشین کے یہ چھوٹے چھوٹے ذرے یا پرزے برقی اور شمسی توانائی کے ذریعے فرداً فرداً تو وجود میں آ گئے لیکن ان کا وہ خصوصی ملاپ کس طرح وقوع پذیر ہوا جس سے پروٹین، ڈی این اے (DNA) اور جینز پیدا ہوئے۔ ہاں عقل سلیم نے یہ

تسلیم کرلیا کہ ان بنیادی عناصر کو ابتدائی بارشوں کا پانی اپنے ساتھ بہا کر لے گیا اور ساحلی علاقوں میں انہیں یکجا کرنے کا فریضہ ادا کیا۔ اِن بنیادی عناصر کو نئے عناصر میں تبدیل ہونے کیلئے کچھ وقت بھی درکار تھا۔ اس کے ساتھ ہی بیرونی عوامل کی بھی ضرورت تھی جو ان کے باہمی عمل اور ردعمل کو بحفاظت آگے بڑھانے میں مدد دیں۔ اگرچہ پانی مطلوبہ عناصر کو ایک جگہ جمع کرنے کا فرض ادا کررہا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ تیز ہواؤں کی وجہ سے اٹھنے والے طوفان اور تند لہریں خلل انداز ہوکر انہیں علیحدہ علیحدہ بھی کردیتیں جس کی وجہ سے مطلوبہ نتائج حاصل ہونے کے امکانات معدوم ہو جاتے۔ اس لئے سائنسدان اس نظریہ پر بھی مطمئن نہ ہو سکے۔ بعض سائنسدانوں نے یہ خیال پیش کیا کہ سمندری محلول لہروں کی قوت سے ساحل پر پھیل گیا تو پانی بخارات بن کر اُڑ گیا اس طرح عناصر کو باہم یکجا ہونے کا وقت مل گیا اور نئے مرکبات وجود میں آ گئے۔ اس نظریہ پر بھی اتفاق نہ ہوسکا کیونکہ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ جہاں پانی بخارات بن کر اڑے گا وہاں کئی دوسرے اہم مرکبات بھی اڑ جائیں گے جس کی وجہ سے مطلوبہ تخلیقی عمل مکمل نہ ہو پائے گا۔

اس مشکل کا حل ڈھونڈنے کے لئے ایک برطانوی سائنسدان جے۔ ڈی۔ برنل نے یہ نظریہ پیش کیا کہ تخلیق کے عمل میں پانی کے علاوہ مٹی کا کردار نہایت ہی اہم ہے۔ مٹی کیمیاوی طور پر سیلیکیٹ کی نہایت پتلی پتلی تہوں پر مشتمل ہوتی ہے جن کے درمیان اتنی جگہ خالی ہوتی ہے جس میں پانی اور ہوا گردش کرسکتے ہیں۔ مٹی کے ایک مکعب میں جس کا ایک ضلع آدھا انچ ہو اس قدر تہیں ہوتی ہیں کہ اگر انہیں علیحدہ کر کے بچھایا جائے تو ٹینس کے دس میدانوں کو پوری طرح ڈھانپ لیں۔ مزید برآں ان تہوں میں منفی اور مثبت برقی چارج بھی ہوتا ہے جو اپنے درمیان سے گذرنے والے مرکبات میں اہم تبدیلیاں لانے کا باعث بنتا ہے۔ حالیہ تجربات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ مٹی کی یہ نفیس تہیں پانی کے اڑ جانے کے بعد نامیاتی عناصر کو اپنے درمیان بڑے محفوظ اور احسن طریقہ سے اکٹھا رکھتیں اور آپس میں ملاپ کر کے نئے مرکبات میں تبدیل ہونے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی نئے پیدا شدہ نازک مرکبات کو سورج کی مضرت رساں ماوراء بنفشی شعاؤں سے حفاظت بھی کرتی ہیں۔ سائنسدانوں کا علم ابھی ابتدائی مراحل میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ مختلف نظریات سامنے آرہے ہیں لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سب سے حیرت انگیز مرحلہ وہ تھا جب غیر حیاتی مادہ سے حیات نے جنم لیا۔ یعنی مردہ عناصر سے زندگی کی ابتدا ہوئی۔ موجودہ معلومات کے مطابق یہ عجوبہ کسی سمندر کے ساحل پر اُس کیچڑ میں

رونما ہوا جسے سورج نے خشک کر دیا تھا۔ آئیے اب اللہ کی کتاب سے اس بارے میں راہنمائی حاصل کریں۔ سورۃ الرحمٰن آیت 14 میں ارشاد فرمایا۔ **خلق الانسان من صلصال کالفخار**۔ ''اللہ نے انسان کو کھنکتی ہوئی چکنی مٹی سے پیدا فرمایا''

اسی طرح سورۃ الحجر کی آیت 26 میں فرمایا۔

ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حما مسنون ۔''اور ہم نے انسان کو چکنی مٹی سے بنایا جو بدبودار کیچڑ سے تیار ہوئی''

جنسی جوڑے

ابتدا میں انسان اپنے محدود مشاہدہ اور علم کے مطابق یہی سمجھتا تھا کہ جنسی جوڑے صرف جانداروں میں ہی موجود ہیں۔ نزول قرآن کے وقت اہل عرب کھجور کے درخت کے بارے میں یہ جان چکے تھے کہ ان میں بھی نر اور مادہ درخت ہوتے ہیں۔ نر درخت پر صرف پھول آتے ہیں لیکن پھل نہیں لگتا۔ اہل عرب کھجوروں کی زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے نر درخت کے پھول اتار کر مادہ درختوں کے پھولوں پر ڈالنے کا عمل کرتے تھے۔ اُس دور میں غالباً انسانی علم اس سے آگے نہ بڑھا تھا۔ لیکن کائنات کے پیدا کرنے والے رب نے سورۃ یاسین کی آیت نمبر 36 میں جو انکشاف فرمایا اس نے انسانوں کو حیرت میں ڈال کر نئے علوم کی طرف گامزن فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

سبحان الذی خلق الازواج کلها مما تنبت الارض ومن انفسهم ومما لا یعلمون۔

''پاک ہے وہ ذات جس نے ہر اس شے کا جوڑا پیدا فرمایا جسے زمین اُگاتی ہے اور اُن کے اپنے نفسوں میں بھی اور ان چیزوں میں بھی جن کا اُن کو تا حال علم نہیں ہے''۔ اسی طرح سورۃ الذاریات آیت 49 میں ارشاد فرمایا۔

ومن کل شیء خلقنا زوجین لعلکم تذکرون۔

''اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے تاکہ تم دھیان کرو''

اللہ تعالیٰ نے نر اور مادہ کے نظام کے بارے میں یہ فرما کر مزید وسعت دے دی کہ ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے ہیں۔ چنانچہ موجودہ دور میں منکشف ہونے والی بجلی میں بھی مثبت اور منفی بار پائے جاتے ہیں اسی طرح ایٹم کی ساخت بھی الیکٹرون یعنی منفیہ اور پروٹون یعنی ثباتیہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایٹم کے اندر منفی الیکٹرون کی تعداد کے فرق سے مختلف عناصر بنتے ہیں۔ اب

تک جو عناصر دریافت ہوئے ہیں اُن کی تعداد سو سے اوپر ہو گئی ہے لیکن ان سب کا وجود الیکٹرون اور پروٹون کا ہی ہے۔ یورپی سائنسدانوں نے اس حقیقت کو اٹھارھویں صدی میں تسلیم کیا سویڈن کے ایک حکیم کیرولس لینئس (1707-1778) نے سب سے پہلے پودوں میں نر اور مادہ کی حقیقت کو تسلیم کیا۔

پھولدار پودوں کی انواع اڑھائی لاکھ کے قریب ہیں ان میں کچھ نر ہوتے ہیں جن میں زرد رنگ کے زرات ہوتے ہیں جنہیں پولن کہتے ہیں۔ جب تک یہ ذرات مادہ پھولوں تک نہ پہنچیں ان میں بیج اور پھل نہیں لگتے۔ بعضوں پودوں میں دونوں قسم کے پھول لگتے اور ایک دوسرے کے قریب ہونے کی وجہ سے ہوا کے چلنے یا بھنوروں کے بیٹھنے سے ہی پولن مادہ پھولوں پر گر پڑتا ہے اگر نر اور مادہ پھولوں کے پودے الگ الگ ہوں تو اللہ تعالیٰ پولن کو مادہ پھولوں تک منتقل کرنے کا کام ہواؤں سے لیتے ہیں۔ اسی طرح کیڑے، مکوڑے، بھنورے اور پرندے بھی اپنے پاؤں اور پروں کے ذریعے پولن کی کچھ مقدار نر پودوں سے مادہ پودوں کے پھولوں تک منتقل کر کے فطرت کے مقاصد پورے کرتے ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم میں ان خصوصی ہواؤں کا ذکر سورہ حجر آیت نمبر 22 میں اس طرح کیا گیا ہے۔ **وارسلنا الریح نواقح** "اور ہم نے حاملہ کر دینے والی ہوائیں چلائیں"

رحم مادر

انسانی روح صلب پدر سے نطفہ کی صورت میں رحم مادر میں منتقل ہوتی ہے۔ وہاں عورت کے بیضہ میں داخل ہو جاتی ہے اور تخلیق کے باقی مراحل شروع ہو جاتے ہیں جو کم و بیش نو ماہ میں پورے ہو جاتے ہیں۔ نزول قرآن کے وقت انسان قطعاً نہیں جانتا تھا کہ انسان کی تخلیق کن کن مراحل سے گذرتی اور نطفہ کیا کیا صورتیں اختیار کرتا ہوا انسانی شکل و صورت اختیار کرتا ہے۔ ایمبریالوجی (EMBRYOLOGY) کی سائنس جو کہ رحم مادر میں بچے کی پیدائش کا مطالعہ کرتی ہے بہت عرصہ بعد وجود میں آئی۔ بطن مادر میں انسان کی حیاتیاتی نشوونما کے مختلف مدارج کا سائنسی نظام کے مطابق مطالعہ کا طریقہ سب سے پہلے ڈاکٹر سٹریٹر نے 1941ء میں ایجاد کیا۔

ماں کے پیٹ میں جو کچھ ہو رہا ہوتا ہے اس سے نہ بچہ خود آگاہ ہوتا ہے نہ ماں اس کے بارے میں کچھ جانتی ہے نہ باپ کو کچھ خبر ہوتی ہے۔ تو پھر انسان جیسے حسین شاہکار کی تخلیق کونسی ہستی کر رہی ہوتی ہے۔ یہ امر اللہ کی الوہیت کے لئے نہایت قوی اور آسانی سے سمجھ میں آجانے

والی دلیل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 6 میں ارشاد فرماتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یصورکم فی الارحام کیف یشاء۔ لا اله الا هو العزیز الحکیم۔

''اللہ وہ ہے جو تمہاری ماؤں کے رحم میں جیسی چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے۔ اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے''

جس وقت انسان رحم مادر کے اندر جنین کی پرورش کے علم سے آگاہ نہیں تھا اس وقت اللہ نے تخلیق کے مراحل حقیقی ترتیب کے ساتھ بیان کر کے انسان کے علم میں اضافہ فرمایا اور اس کے بارے میں تحقیق کرنے کے لئے راہنمائی فرمائی۔

چنانچہ سورۃ المومنون آیات 12 تا 14 میں سات مراحل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے۔

1۔ **ولقد خلقنا الانسان من سللة من طین۔**

2۔ **ثم جعلنه نطفة فی قرار مکین۔**

3۔ **ثم خلقنا النطفة علقة۔**

4۔ **فخلقنا العلقة مضغة۔**

5۔ **فخلقنا أمضغة عظما۔**

6۔ **فکسونا العظم لحما۔**

7۔ **ثم انشانه خلقا اخر۔**

☆۔ **فتبرك الله احسن الخالقین۔**

ترجمہ۔

''بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔

پھر ہم نے اسے نطفہ بنا کر ایک محفوظ مقام میں رکھا۔

پھر ہم نے اس نطفہ کو جالی کی طرح جما ہوا معلق وجود بنایا۔

پھر علقہ سے لوتھڑا بنایا۔

پھر لوتھڑے سے ہڈیاں بنائیں۔

پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔

پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔

پس اللہ تعالیٰ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے بڑا ہی بابرکت ہے۔''

مندرجہ بالا آیات میں انسانی تشکیل کے جن سات مراحل کا ذکر اللہ علیم وخبیر نے فرمایا ان کی تصدیق جدید علوم اور تحقیق سے ہوچکی ہے۔اس کے علاوہ موجودہ سائنس نے ان تین پردوں کی حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے جن کے اندر جنین کا مرحلہ وار ارتقاء ہوتا ہے اور جسے قرآن ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ یعنی تین اندھیروں سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

یخلقکم فی بطون امھتکم خلقا من بعد خلق فی ظلمت ثلث۔ ذلکم اللہ ربکم لہ الملک۔ لا الہ الا ھو فانی تصرفون۔

(الزمر۔6)

''وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں تین اندھیروں کے بیچ پیدا کرتا ہے۔یہی ہے اللہ جو تمہارا رب ہے۔اُسی کی بادشاہی ہے۔اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں۔پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو''

اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کا ہر لفظ نپا تُلا اور حکمت سے بھرا ہوتا ہے۔پھر الفاظ کی جو ترتیب ہے اس ترتیب میں بھی حقائق چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔جو لفظ پہلے آتا ہے اس کے پہلے آنے میں بھی کئی راز پوشیدہ ہوتے ہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو سماعت، بصارت اور دماغ عطا کرنے کا کئی مقامات پر ذکر کیا ہے اور سب جگہ پہلے کانوں پھر آنکھوں اور بعد میں دماغ کا ذکر فرمایا ہے۔

چنانچہ سورۃ سجدہ آیت نمبر 9 میں ارشاد فرمایا۔

وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ ۔ قلیلا ماتشکرون۔

''اور اُس نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دماغ بنائے مگر تم بہت کم احسان شناسی کرتے ہو''

اسی طرح سورۃ الدھر آیت نمبر 2 اور سورۃ النحل آیت نمبر 78 میں بھی ان نعمتوں کا اسی ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت اور قرآن کی صداقت کا ایک اور ثبوت ملاحظہ فرمائیے کہ کینیڈا کی ٹرانٹو یونیورسٹی کے پروفیسر کیتھ مور کے بقول آج ایمبر یالوجی کی جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ مادرِ رحم میں بچے کی تخلیق کے دوران سمعی نظام کی تخلیق بصری نظام سے پہلے ہوتی ہے اور دماغ کی سب سے آخر میں۔یعنی قرآن کریم میں دی گئی ترتیب بھی حقیقت پر مبنی ہے۔(جاری ہے)

خواجہ کے خطوط

(تدوین وترتیب۔خالد مسعود توحیدی)

تہجد اور ذکر کے بارے میں ہدایات

1۔تہجد

☆۔(بنام غوث محمد صاحب 24/2/1956)

تہجد کی نماز نہیں ہوسکتی تو نہ سہی پانچ وقت کی نماز ہی کافی ہے۔

☆۔(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 4/12/1959)

تہجد ہو سکے تو پڑھ لیا کریں۔نہ ہو تو فکر نہ کریں بہت وقت پڑا ہے۔

☆۔(بنام غوث محمد صاحب 4/1/1956)

ذکر تہجد کی نماز کے بعد بہتر ہے۔اس وقت کیا کرو۔وتر تہجد کے بعد ادا کرو۔

2۔ذکر

☆۔بنام محمد صدیق ڈار صاحب 4/11/1959)

جو ذکر پاس انفاس اور نفی اثبات کا آپ کو بتایا گیا ہے اس پر پوری طرح عامل رہیں۔ علاوہ ازیں غصہ اور نفرت کو نفی کرنے کی کوشش میں لگے رہیں۔اسکے علاوہ دنیا کے تمام غم و الم کے تاثرات سے دل کو متاثر نہ ہونے دیں۔مطلب یہ ہے کہ ان باتوں کی کوشش کرتے رہیں۔گو یہ باتیں دو چار دن میں نہیں جاتیں برسوں لگ جاتے ہیں۔حال پر خوش رہنا سیکھو ماضی کو بھول جاؤ اور مستقبل کی بہتری کے لئے کوشاں رہو۔قوت برداشت یعنی صبر کی قوت کو برابر بڑھاتے رہو۔ذکر کے علاوہ وقت ملے تو تلاوت اور تہجد وغیرہ بھی پڑھ لیا کریں۔

☆۔(بنام جمیل اختر صاحب 12/6/1972)

مکمل نفی نہیں ہوتی تو جیسی ہو کرتے رہو۔نفی کی مشق کا خاص طریقہ یہ ہے کہ رات کو جب سونے لگے تو دماغ کو ہر خیال سے خالی کر کے سوجایا کرو۔رفتہ رفتہ کامل نفی کی عادت پڑ جائے گی۔

☆ ۔(بنام اکبر مغل صاحب 26/10/1971)

ذکر وغیرہ اور نماز کو اپنی عادت بنالو۔ یہ تو مرتے وقت تک کا شغل ہے عارضی شے نہیں ہے۔

☆ ۔(بنام غوث محمد صاحب 4/1/1956)

سب سے ضروری بات یہ ہے کہ چلتے پھرتے اللہ کو یاد رکھنے کی کوشش کرو۔

☆ ۔(بنام مخدوم ریاض حسین صاحب 12/2/1962)

رمضان میں حلقہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ البتہ اپنے اکیلے اکیلے جتنا زیادہ ذکر کوئی کرے گا اتنا ہی اجر اور فیض حاصل کرے گا۔

☆ ۔(بنام مخدوم ریاض حسین صاحب)

سرگودھا میں حلقہ کی ایسی تنظیم کہ سب ممبر روزانہ یا جب چاہیں ملتے رہیں بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اس لئے جو ہے درست ہے۔

☆ ۔(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 4/12/1959)

حلقہ کرنے میں گرمی کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے تو بند کر دیں یا کسی اور مناسب جگہ کر لیا کریں ورنہ یونہی کرتے رہیں۔ بجلی کا پنکھا لگا لیا کریں۔ ہم بھی بند کمرے میں کرتے ہیں۔

☆ ۔(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 26/9/1965)

اگر ذکر کرنے سے تکلیف ہو یا بے ہوشی طاری ہونے لگے یا جذب ناقابل برداشت ہو جائے تو ذکر بند کر کے درود شریف آہستہ زبان میں پڑھنی چاہیے۔ ورنہ جب تک حواس قائم رہیں اور مزہ آتا رہے ذکر جاری رکھا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ہر کام قابل برداشت حد تک کرنا چاہیے۔ جس کام سے عقل سلب ہونے کا خطرہ ہو اسے چھوڑ دینا چاہیے۔

☆ ۔(بنام محمد قاسم صاحب 19/9/1960)

اور اللہ اللہ کرتے رہیں جیسی بھی ہوتی ہے۔ کمزوری اور تساہل وغیرہ کی زیادہ پروا نہ کریں۔

رعیت کی نگھبانی اور حکمرانی کا بیان

(ابوالحامد محمد الغزالیؒ)

آٹھواں قاعدہ یہ ہے کہ دیندار علماء کی ملاقات کا شوق اپنے دل میں رکھے ان کی نصیحت توجہ سے سنا کرے اور دنیا کے لالچی علماء کی محبت سے بچے کیوں کہ وہ تعریف کر کے اس کو دھوکہ دیں گے اور اس کی خوشی کی تلاش میں رہیں گے۔ تا کہ جو حرام وہ کھاتا ہے اس میں حصہ دار بن سکیں۔ دیندار عالم وہ ہے جو کسی قسم کا طمع نہ رکھے اور کسی حال میں سچ کہنے سے گریز نہ کرے۔ حضرت شفیق بلخی رحمتہ اللہ تعالیٰ ہارون الرشید مرحوم کے پاس گئے۔ اس نے پوچھا کہ آپ زاہد ہیں؟ فرمایا زاہد نہیں شفیق ہوں اس نے نصیحت کی خواہش کی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مسند پر بٹھایا ہے۔ جس طرح ان سے صدق وراستی چاہی گئی تھی اسی طرح تم سے بھی صدق وراستی کا مطالعہ کیا ہے۔ تم حضرت فاروق اعظمؓ کی جگہ بٹھائے گئے ہو۔ جسطرح ان سے حق و باطل میں فرق چاہا گیا تھا۔ اسی طرح یہ بات تم سے چاہی گئی ہے تمہیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ ملی ہے ان کی طرح تم سے شرم وحیا اور جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح تم سے بھی علم وعدل کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ہارون نے مزید درخواست کی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے جس کا نام دوزخ ہے تین چیزیں تمہیں دے کر اس کا دربان بنا دیا گیا ہے۔ بیت المال، تلوار اور تازیانہ اور حکم دیا کہ ان تین چیزوں کے ذریعہ مخلوق کو دوزخ سے بچا۔ جو محتاج تیرے پاس آئے اسے محروم نہ لوٹا۔ حق کا فرمان ہو تو اسے تازیانہ سے سزا دے اور جو کسی کو ناحق مار دے اس کے ولی کی اجازت سے قاتل کا سر تلوار سے اڑا دے اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو سب سے پہلے جہنم میں جائے گا اور لوگ تیرے پیچھے ہوں گے۔ ہارونؒ نے مزید درخواست کی تو فرمایا کہ تمہاری مثال چشمہ کی ہے اور تمہارے اعمال کی مثال اس دنیا میں نہروں کی ہے چشمہ خود صاف ہو تو نہروں کی تیرگی نقصان کا باعث نہیں بنتی لیکن چشمہ ناصاف ہو تو نہروں کی صفائی کی امید نہ رکھنا چاہیئے۔

خلیفہ ہارون الرشید مرحوم اپنے مصاحب عباسؒ کے ساتھ حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس جاتا جب ان کے دروازہ پر پہنچتا تو وہ قرآن کی یہ آیت تلاوت فرماتے۔

ام حسب الذين اجترحوا السيات ان نجعلهم كالذين امنو وعملوا لصالحات سواء محياهم ومماتهم ساء ما يحكمون -
(عنکبوت)

''ان کا گیا خیال ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے برے کام کیئے ہم انہیں ان کے برابر کردیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیئے؟ ان کی زندگی اور موت برابر ہے۔ برا حکم تھا جو انہوں نے کیا۔''

ہارون الرشید نے کہا کہ اگر ہم نصیحت حاصل کرنا چاہیں تو یہ آیت ہی کافی ہے۔ پھر ہارون نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ امیر المومنین حاضر ہوئے ہیں دروازہ کھولیں انہوں نے فرمایا میرے پاس کا کیا کام ہے؟ عباس نے کہا کہ امیر المومنین کی اطاعت کریں تب انہوں نے دروازہ کھولا۔ رات کا وقت تھا انہوں چراغ ٹھنڈا کر دیا ہارونؒ نے اندھیرے میں اِدھر اُدھر ہاتھ جو بڑھایا تو ہاتھ سے ہاتھ مل گئے حضرت فضیلؒ نے فرمایا کہ ایسا نرم و نازک ہاتھ دوزخ سے نہ بچے تو افسوس ہے، پھر فرمایا امیر المومنین قیامت کے دن خدا کے سامنے جواب کے لئے تیار رہو۔ کیونکہ تمہیں قیامت کے دن ہر ایک مسلمان کے ساتھ الگ الگ بٹھا کر ہر ایک کو مطمئن کیا جائے گا۔ یہ سن کر ہارون رونے لگا تو عباس نے کہا فضیل خاموش رہیں آپ نے امیر المومنین کو مار ہی ڈالا۔ فضیل نے کہا اے ہامان (وزیر اعظم کی نسبت سے ایسا فرمایا) تو نے اور تیرے ساتھیوں نے اسے ہلاکت میں مبتلا کر رکھا ہے اور کہتا مجھ سے ہے کہ میں نے مار ڈالا۔ ہارون نے کہا کہ مجھے فرعون سمجھا گیا ہے تب ہی تو تمہیں ہامان کہا گیا ہے پھر ہزار دینار فضیلؒ کے سامنے پیش کئے اور عرض کیا کہ حلال مال ہے چونکہ میری والدہ محترمہ کا مہر ہے حضرت فضیلؒ نے فرمایا کہ میں آپ سے کہتا ہوں کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس سے ہاتھ کھینچ لو اور جو اس کے مالک ہیں انہیں لوٹا دو۔ چنانچہ ہارون الرشید وہاں سے اٹھ کر واپس آ گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مجید بن کعب القرظی رحمتہ اللہ تعالیٰ سے کہا کہ عدل کی تعریف فرمائیں فرمایا کہ عدل یہ ہے کہ جو مسلمان تجھ سے چھوٹا ہو اس کے حق میں باپ کی مانند ہو جاؤ اور جو بڑا ہو اس کے حق میں بیٹے کی مانند ہو جا۔ جو ہم عمر ہو اسے بھائی سمجھ اور ہر مجرم کو اتنی ہی سزا دے جو اس کے قصور اور قوت کے لائق ہو خبردار غصہ میں آ کر کسی کو تازیانہ نہ مار بیٹھنا ورنہ تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہو۔

ایک زاہد کسی خلیفہ وقت کے پاس تشریف لے گئے خلیفہ نے نصیحت کی درخواست کی انہوں نے فرمایا کہ میں چین گیا تھا وہاں کا بادشاہ بہرا ہو گیا تھا وہ بہت روتا اور کہتا کہ میرے رونے کا سبب یہ نہیں کہ میں ثقلی سماعت کا شکار ہو گیا ہوں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی فریادی اور مظلوم میرے دروازے پر آیا تو اس کی فریاد نہیں سن سکوں گا۔ لیکن چونکہ میری بصارت الحمدللہ قائم ہے اس لئے منادی کر دو کہ جو دادخواہ ہو وہ سرخ کپڑے استعمال کرے۔ بادشاہ خود ہر روز ہاتھی پر سوار ہو کر نکلتا اور جس کو سرخ کپڑوں میں ملبوس دیکھتا اسے بلا کر اس کی دادخواہی کرتا۔ زاہد نے کہا کہ وہ کافر تھا اس کے باوجود خدا کے بندوں پر اتنا مہربان تھا تم مسلمان ہو تم اپنے مقام کو پہچانو اور خدا کی مخلوق سے حسن مروت سے پیش آؤ۔

ابوقلابہ عمر بن اعبدالعزیزؒ کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے نصیحت چاہی تو فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے آج تک تیرے سوا کوئی خلیفہ باقی نہیں رہا۔ انہوں نے مزید درخواست کی تو فرمایا اب جو خلیفہ سب سے پہلے مرے گا وہ تو ہوگا۔ مزید درخواست کی تو فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو تو پھر تمہیں کسی چیز کا ڈر نہیں اگر وہ ساتھ نہیں تو پھر تمہارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں لہذا جو آپ نے فرمایا وہ کافی ہے۔ سلیمانؒ بن عبدالملک نے ایک دن خیال کیا کہ یہاں تو میرے بڑے مزہ میں ہوں قیامت کا دن معلوم نہیں میرا کیا حال ہوگا؟ حضرت ابوحازم رحمتہ اللہ علیہ جو اس دور کے بڑے عالم تھے ان کے پاس کسی کو بھیجا اور درخواست کی کہ جس چیز سے آپ روزہ افطار کرتے ہیں اس میں سے تھوڑی سی مجھے عنایت فرمائیں۔ انہوں نے گیہوں کی تھوڑی سی بھوسی بھون کر ارسال کر دی اور فرمایا کہ میں رات کو یہی کھایا کرتا ہوں سلیمانؒ اسے دیکھ کر بہت رویا اس کے دل پر بڑا اثر ہوا پے بہ پے تین روزے رکھے اور کوئی چیز نہیں کھائی۔ تیسرے دن شام کو اسی سے روزہ کھولا اسی روز اپنی اہلیہ سے ہم بستری کی تو عبدالعزیز پیدا ہوئے جن کے صاحبزادے حضرت عمرؒ ہیں جو عدل وانصاف میں اپنی مثال آپ تھے۔ اہل دل نے فرمایا ہے کہ یہ اس کی نیک نیتی کی برکت تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی توبہ کا سبب کیا ہے؟ فرمایا کہ ایک دن میں اپنے غلام کو مار رہا تھا وہ کہنے لگا کہ میاں اس رات کو یاد کرو جس کی صبح قیامت قائم ہوگی اس کی یہ بات میرے دل پر اثر کر گئی کسی صاحب دل نے ہارون الرشیدؒ کو میدان عرفات میں دیکھا کہ ننگے پاؤں، ننگے سر گرم

پتھر پر کھڑا ہے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا ہے اے ارحم الراحمین تو تو ہے اور میں میں ہوں ۔ میرا کام ہر دم گناہ کرنا اور تیرا کام ہر گھڑی بخش دینا ہے میرے اوپر رحم فرما بزرگ نے کہا کہ دیکھو زمین کا جبار آسمان وزمین کے جبار کے سامنے کس طرح آہ و زاری کر رہا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت ابو حازمؒ سے نصیحت کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ زمین پر سویا کرو موت کا یقین رکھو اور اس کا دھیان رکھو۔

حکمرانوں کا چاہئے کہ ان حکایتوں کو اپنی نگاہ میں رکھے اور اپنے دور کے اہل علم سے نصیحت حاصل کریں اور علماء کا بھی فرض ہے کہ حکمرانوں کو نصیحت سے نوازیں اور حق بات کہنے سے گریز نہ کریں۔ اگر علماء ایسا نہیں کریں گے تو حکمرانوں کی وجہ سے دنیا میں جو ظلم ہوگا اس میں یہ بھی شریک ہوں گے۔

نواں قاعدہ یہ ہے کہ حکمران صرف اسی کو کافی نہ سمجھے کہ خود ظلم سے دور رہے بلکہ اپنے نائبین و متعلقین کو بھی مہذب بنائے اور ان کے ظلم کی انہیں سزا دے کہ ان کے ظلم کی اس سے پرسش ہو گی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو ان کے گورنر تھے خط لکھا۔۔۔۔۔

امابعد بڑا نیک بخت وہ ہے جس سے رعیت خوش ہو اور بد بخت وہ ہے جس سے رعایا ناراض ہو اگر تم نے اپنی زندگی میں کشائش شروع کر دی تو تمہارے عمال بھی ایسا ہی کریں گے پھر تمہاری مثال اس چوپایہ جیسی ہوگی جو گھاس دیکھے تو بہت کھا جائے تا کہ اس طرح موٹا ہو جائے حالانکہ یہ موٹا پا اس کی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے یعنی لوگ اسے ذبح کر کے کھا جائیں گے۔

توریت میں لکھا ہے کہ بادشاہ کا عامل جو ظلم کرتا ہے وہ بادشاہ کے کھاتہ میں لکھا جاتا ہے بشرطیکہ بادشاہ اس پر چپ رہے حکمرانوں کو سمجھنا چاہیے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی نادان نہیں جو اپنے دین اور اپنی آخرت کو دو دن کی دنیا کی خاطر داؤ پر لگا دے۔ تمام عمال اور خدام دنیا کی خاطر خدمت کرتے ہیں اور ظلم کو والی کی نگاہ میں بڑا خوبصورت کر کے پیش کرتے ہیں تا کہ اسے جہنم رسید کریں اور اپنا اُلو سیدھا کریں۔ اس شخص سے بڑھ کر تیرا کوئی دشمن نہیں جو چند درہم کی خاطر تیری تباہی کی کوشش کرے الغرض جو حکمران اپنے متعلقین کو عدل پر قائم نہیں رکھے گا وہ خود بھی رعایا سے انصاف نہیں کر سکے گا اور یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو پہلے اپنے بدن کے اندر عدل کو

پیدا کرے اور بڑا عدل یہ ہے کہ آدمی ظلم، غصہ اور خواہش کو عقل پر غالب نہ کرے بلکہ ان کو عقل کا
دین کا قیدی بنا کر رکھے عقل و دین کو قیدی نہ بنائے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ عقل کو غضب اور خواہش
کا خدمت گار بنا دیتے ہیں یہاں تک کہ عقل و غضب کو اپنی خواہشات کے لئے حیلہ بناتے
ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ عقل کی بات یہی ہے حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں بلکہ عقل فرشتوں کے جوہر
سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ہے جب کہ خواہش اور غصہ ابلیس کے لشکروں میں
سے ہیں تو جو شخص اللہ کے لشکر کو ابلیس کے لشکر میں قید کرے گا وہ دوسروں پر کیا خاک انصاف
کرے گا؟ تو عدل کا سورج پہلے اپنے سینہ میں طلوع کرنا چاہئے بعد میں گھر والوں اور مخصوص
متعلقین کو اس سے منور کرنا چاہئے۔ اس کے بعد اس کی روشنی رعایا تک پہنچے گی اور اس ترتیب
کے بغیر روشنی کا حصول محال ہے یاد رکھو عدل کمال عقلی سے پیدا ہوتا ہے اور کمال عقل یہ ہے کہ
آدمی ہر کام کو ویسا سمجھے جیسا وہ فی الواقع ہو اور ان کی حقیقت و باطن کو جاننے کی کوشش کرے ان
کے ظاہر پر فریفتہ نہ ہو جائے مثلاً آدمی جب عدل سے ہاتھ روکے گا تو دنیا کے واسطے روکے گا تو
غور کرنا چاہئے کہ دنیا سے اس کا مقصود کیا ہے؟ اگر یہی مقصد ہے کہ اچھا کھانا کھائے تو سمجھ لے کہ
وہ چوپایہ کی شکل میں آدمی ہے اس لئے کہ کھانے کی حرص چارپایوں میں ہوتی ہے اور اگر مقصد
اچھے کپڑے ہیں تو گویا مرد عورت کی شکل میں ہے اس لیے کہ آرائش صنف نازک کا کام ہے اگر
مقصد یہ ہے کہ اپنا غصہ دشمنوں پر اتارے تو گویا درندہ ہے کہ یہ درندوں کا کام ہے اگر مقصد یہ ہے
کہ لوگ اس کی خدمت کریں تو جاہل بصورت عاقل ہے اس لئے اگر عقل مند ہوتا تو سمجھ لیتا کہ
سب خدمت گزار اپنے پیٹ خواہش اور فرج کے خادم ہیں اگر ایک دن بھی ان کا روپینہ نہ دے گا
تو وہ قریب بھی نہ بھٹکیں گے۔ تو وہ جو اس کی خدمت کرتے ہیں تو دراصل انہوں نے اپنی خواہش
کا پھندا بنا رکھا ہے اور وہ جو بندگی کرتے ہیں تو اپنی ہی کرتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر انہیں
افواہ کے طور پر معلوم ہو جائے کہ حکومت دوسرے کو مل رہی ہے تو اس سے فوراً منہ موڑ لیتے ہیں تو فی
الحقیقت یہ خدمت نہیں بلکہ اس پر ہنسنا ہے۔ عاقل وہ ہے جو کاموں کی روح اور حقیقت کو دیکھے
صورت کو نہ دیکھے اور ان کاموں کی حقیقت وہی ہے جو بیان کر دی گئی جو ایسا نہ سمجھے وہ عقل مند نہیں
اور نہ وہ عادل ہے اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اس لیے کہتے ہیں کہ عقل تمام سعادتوں کی سردار ہے
دسواں قاعدہ یہ ہے کہ حاکم پر تکبر غالب نہ ہو اس واسطے کہ تکبر کے سبب سے غصہ غالب

آ جاتا ہے اور انتقام کی طرف مائل کرتا ہے نیز غصہ عقل سے انسان کو محروم کر دیتا ہے غصہ کے نقصانات اور اس کا علاج مہلکات کے بارے میں ہم بیان کر چکے ہیں لیکن جب تکبر غالب آ جائے تو انسان کو تمام کاموں میں عفوو درگذر کی عادت ڈالنی چاہے اور کرم و بردباری کو اپنا پیشہ بنا لینا چاہے۔ اور یہ خیال کرنا چاہیے کہ اگر میں نے اس کو پیشہ بنالیا تو انبیا و صحابہ اور اولیاء امت کے نقش قدم پر چلنے والا ہوں گا اور غصہ کو اپنا پیشہ بنالیا تو احمق اور بیوقوف لوگوں کی صف میں شامل ہو جاؤں گا۔

حکایت:۔ خلیفہ ابو جعفر نے ایک مجرم کے قتل کا حکم دے دیا مبارک بن فضالہ رحمتہ اللہ تعالیٰ تشریف فرما تھے انہوں نے ایک حدیث سننے کا فرمایا اور کہنے لگے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے جناب نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد سنا ہے آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ایک میدان میں جمع کریں گے تو ایک منادی آواز دے گا کہ جس کو اللہ کے حضور مجال ہو وہ اٹھے لیکن کوئی نہیں اٹھے گا البتہ وہ شخص جس نے خطائیں معاف کی ہوں گی وہ اٹھے گا۔ یہ سنکر خلیفہ نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو میں نے اس کی خطا معاف کر دی۔ حکمرانوں کو عام طور پر غصہ اس لیے آتا ہے لوگ ان سے زبان درازی کرتے ہیں اس وقت یہ چاہتے ہیں کہ انہیں مار ڈالیں ایسے وقت میں انہیں وہ بات یاد رکھنی چاہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ جو کوئی تمہیں کچھ کہے لیکن سچ کہے تو شکر ادا کرو۔ جھوٹ کہے تو زیادہ شکر کرو۔ کیونکہ بغیر محنت آپ کے نامہ عمل میں ایک عمل بڑھ گیا۔ یعنی اس جھوٹ کہنے والے کی عبادت آپ کے نامہ عمال میں فرشتے لکھ دیں گے۔ حضور علیہ السلام کے حضور ایک شخص کے متعلق لوگوں نے کہا کہ وہ بڑا زور آور ہے آپ نے پوچھا وہ کیسا آدمی ہے لوگوں نے عرض کیا کہ جس سے کشتی لڑتا ہے اسے گرا دیتا ہے آپ نے فرمایا زور آور وہ ہے جو اپنے غصہ پر قابو پالے آپ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب آدمی انہیں پالیتا ہے تو اس کا ایمان کامل ہو جاتا ہے جب غصہ آئے تو بیجا چیز کا مقصد نہ کرے جب خوش ہو تو کسی حق سے نہ چوکے جب قادر ہو تو اپنے حق سے زیادہ نہ لے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ کسی کے اخلاق پر اس وقت تک اعتماد نہ کرو جب تک اس کو غصہ کی حالت میں دیکھ نہ لو اور کسی کے دین پر اس وقت تک اعتماد نہ کرو جب تک طمع کے وقت نہ آزمالو۔ حضرت علی بن الحسین رحمتہ اللہ تعالیٰ ایک دن مسجد جا رہے

تھے کسی نے انہیں گالی دی تو غلاموں نے مارنے کا قصد کیا آپ نے منع فرمایا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ میاں ہمارے جو عیب تجھ سے پوشیدہ ہیں وہ ان سے کہیں زیادہ ہیں جو تمہیں معلوم ہیں۔ اگر تمہیں حاجت ہے تو بتاؤ۔ وہ شخص از حد شرمندہ ہوا آپ نے جو لباس پہنا تھا وہ اسے دے دیا اور ایک ہزار درہم مزید دینے کا حکم دیا۔ وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بزرگ فرزند رسول ہے اور یہ بھی انہی کی حکایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے غلام کو آواز دی دوسری مرتبہ پھر آواز دی تیسری مرتبہ پھر آواز دی اس نے جواب نہ دیا فرمایا تم سنتے نہیں اس نے کہا میں نے سنا تو ہے فرمایا جواب کیوں نہیں دیا۔ اس نے کہا کہ آپ کے حسن اخلاق کے سبب بے خوف تھا کہ آپ مجھے سرزنش نہیں کریں گے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرا غلام مجھ سے بے خوف تھا کہ آپ کا ایک غلام تھا اس نے بکری کا پاؤں توڑ ڈالا آپ نے پوچھا تم نے یہ کام کیوں کیا اس نے کہا کہ میں نے ایسا قصد کیا ہے کہ آپ کو غصہ دلاؤں آپ نے فرمایا کہ اب میں اسے غصہ دلاتا ہوں جس نے تجھے یہ کام سکھایا یعنی ابلیس کو یہ کہہ کر اس نے غلام کو آزاد کر دیا۔ ایک شخص نے اپ کو گالی دی آپ نے فرمایا کہ میاں میرے اور دوزخ کے درمیان یہی گھاٹی ہے اگر اس گھاٹی کو میں طے کر گیا تو جو کچھ تو کہتا ہے اس سے میں کچھ باک نہیں رکھتا اور طے نہ کر سکا تو تیری بات سے زیادہ بدتر ہوں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بردباری اور عفو کے سبب صائم الدھر اور قائم اللیل کا مقام پا لیتے ہیں اور بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ ان کا نام جبر کرنے والوں کے دفتر میں لکھا جاتا ہے حالانکہ گھر والوں کے سوا ان کی کسی پر حکومت نہیں ہوتی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دوزخ کا ایک ایسا دروازہ ہے جس سے صرف وہ لوگ اندر داخل ہوں گے جو خلاف شرع غصہ کرتے ہیں روایت ہے ابلیس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں آپ کو تین باتیں سکھاتا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ سے آپ میری مراد مانگیں آپ نے وہ تین باتیں پوچھیں تو اس نے کہا کہ ایک تو یہ کہ غصہ سے پرہیز کریں کیوں کہ جو تیز اور ہلکا ہوتا ہے اس سے میں ایسے کھیلتا ہوں جیسا لڑکے گیند سے کھیلتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ عورتوں سے پرہیز کریں اس لیے کہ میں نے مخلوق کے لیے جو پھندے بچھائے ہیں ان میں سے عورتوں کے سوا اور کسی پر مجھ کو اعتماد نہیں تیسری بات یہ ہے کہ بخل سے بچ کر رہیں اس لیے کہ جو بخیل ہوتا ہے میں اس کا دین و دنیا دونوں تباہ کر دیتا ہوں۔ اور جناب نبی

کریم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی پر غصہ نکال سکتا ہو وہ پی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دیتا ہے اور جو کوئی بے ریا حق تعالیٰ کے سامنے عاجزی کی خاطر لباس فاخرہ نہیں پہنتا اللہ تعالیٰ اسے لباس تقویٰ پہناتے ہیں آپ نے فرمایا اس شخص پر افسوس ہے جو غصہ میں آئے اور خدا کے غصہ کو بھول جائے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی بات سکھائیں کہ میں اس کے سبب بہشت میں چلا جاؤں فرمایا غصہ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اس نے عرض کیا مزید؟ فرمایا کسی سے کچھ نہ مانگا کرو۔ مزید سوال کیا تو فرمایا کہ عصر کی نماز کے بعد ستر بار استغفار پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ تیرے ستر برس کے گناہ معاف فرمادیں گے اس نے عرض کیا کہ میرے تو ستر برس کے گناہ نہیں آپ نے فرمایا تیرے باپ کے گناہ۔ اس نے کہا اس کے بھی اتنے نہیں آپ نے فرمایا تیرے مسلمان بھائیوں کے گناہ معاف فرمادیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ایک دن آپ کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے ایک شخص نے انصاف کے اعتبار سے اعتراض کیا اس شخص کا یہ قول آپ کے سامنے نقل ہوا تو آپ غصہ میں آ گئے چہرہ مبارک سرخ ہو گیا لیکن آپ نے اس سے زیادہ کوئی بات نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے لوگوں نے انہیں اس سے زیادہ رنج دیا لیکن انہوں نے صبر فرمایا۔ حکماء اور امراء کی نصیحت کے لئے اس قدر حکایات اور احادیث کافی ہیں۔ اس واسطے کہ اگر اصل ایمان برقرار ہو تو یہ اثر کریں گی اور اگر یہ حکایات و احادیث اثر نہ کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دل ایمان سے خالی ہو گیا ہے فقط زبانی اقرار باقی ہے ایمان کی بات جو دل میں ہوتی ہے وہ اور ہے ایمان اور ہی چیز ہے میں نہیں جانتا کہ اس حکمران کے دل میں ایمان کی حقیقت کیونکر رہے گی جو برس دن میں حرام کے کئی ہزار دینار حاصل کر کے اوروں کو دے دے تاکہ وہ سب دینار اس کی ضمانت میں رہیں اور قیامت میں اس سے طلب کئے جائیں حالانکہ اس کا نفع دوسروں نے حاصل کیا اور یہ نہایت غفلت اور بے ایمانی ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب و عندہ ام الکتاب۔**

زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ

(محمد موسیٰ بھٹو)

دنیا میں پیدا ہونے والا ہر انسان ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار ہے۔ چاہے اسے اس کا شعور ہو یا نہ ہو، خطرہ یہ ہے کہ وہ اپنی شخصیت (جو پیچ در پیچ نفسانی ونفسیاتی روگوں سے عبارت ہے) کو فنا کر کے اپنے آپ کو خدا کی اطاعت و رضا مندی میں دے دینے کے لئے تیار ہے یا اپنی شخصیت کی خداوندی کو قائم و برقرار رکھنے اور اپنے اندر کے بتوں کو پوجنے پر مصر ہے۔ دراصل اسی روش پر انسان کی دائمی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار ہے۔

فرد اور افراد کا ابتدائی مسئلہ داخلی ہے نہ کہ خارجی، داخلی زندگی میں جب حقیقی اخلاقی، روحانی اور باطنی انقلاب آ جاتا ہے تو پھر اس سے معاشرہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ خارجی زندگی یعنی معاشرہ کی تعمیر و تشکیل کا کام افراد کے داخلی انقلاب سے ہی ہوتا ہے۔ فرد اور افراد کے اندر اگر روحانی اضطراب نہ ہو یا برائے نام ہو تو اس طرح کی صورتحال میں معاشرہ کی تبدیلی کا کام منصوبہ بندی اور لمبی چوڑی اسکیموں سے آگے بڑھنے نہیں پاتا۔ اس لئے اگر اپنے ذاتی تزکیے اور معاشرہ میں کام ان دونوں میں سے کسی ایک چیز کے انتخاب کا مسئلہ درپیش ہو تو اس میں ترجیح ذاتی تزکیے کو ہی دینی پڑے گی۔ ذاتی اصلاح اور شخصیت کی ایک حد تک تعمیر اور بنیادی نفسی خرابیوں کی قابل ذکر حد تک درستگی کے بعد معاشرہ میں پائیدار انقلاب کے لئے کام کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے بلکہ فرد یا افراد کے مزید تزکیہ کا بیشتر دارومدار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام سے ہی وابستہ ہے۔ خدا کا جو بندہ دعوتی کام سے بے نیاز ہو کر شب و روز خلوت میں ذکر و فکر کے ذریعہ ہی اپنے روحانی ارتقاء کے لئے فکر مند رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے اسے کامل قلبی سکون حاصل ہو لیکن روحانی ارتقاء کے جو مراحل اصلاح و تزکیہ کی ضروری مقدار کے بعد دعوتی میدان میں مصروف رہنے والے داعی کو حاصل ہوتے ہیں۔ ذکر و فکر کی زندگی بسر کرنیوالا اس طرح کے روحانی ارتقا سے پوری طرح آشنا نہیں ہو پاتا۔

راقم دعوتی اور خارجی زندگی میں تبدیلی و انقلاب کے کام کی پوری اہمیت کے باوجود ترتیب دین میں ذاتی تزکیے کو زیادہ اہم اور ترجیح میں اولیت کا کام سمجھتا ہے دین کی یہی وہ ترتیب ہے جو بدقسمتی سے اس دور میں زیادہ نظر انداز ہوگئی ہے۔ باطنی تبدیلی اور اخلاقی نصب العین اور زاویہ نگاہ

کے بغیر معاشرہ کی سطح پر دین کا حقیقی اور بنیادی کام ہو ہی نہیں سکتا۔اس لئے اسلام تزکیہ نفس، باطنی خرابیوں کی اصلاح اور فکر آخرت کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔اس سلسلہ میں سب سے پہلے قرآن کی چند آیتیں اس کے بعد کچھ حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

افرایت من اتخذ الهه هواه ''(اے پیغمبر) کیا تو اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے نفس کی خواہشوں کو الہ بنا دیا ہے''

ومن یوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون۔''وہ لوگ کامیاب ہیں جو نفس کے بخل اور اس کی تنگی سے بچے''

وذروا ظاهر الاثم وباطنه ۔ ان الذین یکسبون الاثم سیجزون بما کانوا یقترفون ۔''اور چھوڑ دو ظاہری اور باطنی گناہ بے شک وہ لوگ گناہ کما رہے ہیں۔وہ عنقریب بدلہ دیئے جائیں گے اس کا جو وہ کرتے رہے ہیں''

ومن ارادا الاخرة وسعی لها سعیها وهو مومن فاولئك کان سعیهم مشکورا۔''جس نے ارادہ آخرت پیدا کیا اور اس کے لئے کوشش کا حق ادا کیا اور وہ صاحب ایمان بھی ہے تو ایسوں کی کوشش مقبول ہوگی''

یوم لا ینفع مال ولا بنون۔ الا اتی الله بقلب سلیم ۔''اس دن نہ تو مال کام آئے گا نہ ہی بیٹے مگر جو اللہ کے ہاں قلب سلیم لے کر حاضر ہوگا''

قلب سلیم کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں ۔قلب سلیم وہ ہے جو شرک، حسد، بغض، نفرت، کینہ، حرص و طمع، کبر و غرور، حب جاہ و حب مال وغیرہ سے پاک ہو۔ان کے نزدیک قلب کی سلامتی چار چیزوں کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔سب سے پہلی چیز شرک سے حفاظت ہے جو توحید کے خلاف ہے۔دوم خدائی امر کے خلاف جو شہوات و خواہشات ہوں ان سے بچا جائے۔سوم سنت رسول کے خلاف جو بدعات ہیں ان سے پرہیز کیا جائے۔چہارم ایسی چیزوں سے بچا جائے جو ذکر الٰہی سے غافل کر دینے والی ہوں۔اب حب جاہ و خود نمائی اور جذبہ شہرت کے سلسلہ میں کچھ حدیثیں ملاحظہ ہوں:۔

صحابہ کہتے ہیں ایک بار ہم دجال کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔آپ ؐ نے فرمایا۔میرے نزدیک تمہارے لئے دجال سے بڑھ کر جو خوفناک چیز ہے کیا

میں وہ تمہیں نہ بتاؤں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسولؐ اللہ ضرور بتایئے۔ آپؐ نے فرمایا شرک خفی یعنی جذبہ شہرت اور ریا۔ ایک دوسری روایت میں آپؐ نے فرمایا۔

مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف شرکِ اصغر کے بارے میں ہے۔ صحابہؓ نے سوال کیا، شرکِ اصغر کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ریا۔

ایک اور حدیث میں ہے اپنے آپ کو بزرگ تصور کرنا علم کی بہت بڑی آفت ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اس کا مرتبہ بلند کر دیتا ہے وہ اپنے آپ کو تو حقیر سمجھتا ہے لیکن لوگ اسے عظیم سمجھتے ہیں اور متکبر انسان اپنے آپ کو تو بڑا سمجھتا ہے لیکن لوگوں کی نگاہ میں وہ ذلیل وخوار ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بعض ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے گلے سے باہر نہیں اترے گا وہ کہیں گے ہم نے قرآن پڑھ لیا، ہم سے بڑے قاری اور عالم کون ہوں گے۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ مسلمانوں میں سے ہوں گے یہی لوگ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

نفسی حجابات کو قائم و برقرار رکھتے ہوئے قرآن کے مطالعہ جیسی بابرکت چیز بھی کس طرح موجب عذاب بن جاتی ہے۔ اس حدیث میں اس کا انتہائی نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ اصل میں جن کے دلوں پر خدا کی عظمت وقدرت کا تصور سمایا ہوا ہوتا ہے ان پر تواضع اور فروتنی کی حالت طاری رہتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا

اپنے آپ سے فتویٰ طلب کیا کرو۔ نیکی وہ ہے جس سے نفس کو سکون اور قلب کو اطمینان حاصل ہو۔ برائی وہ ہے جس سے دل میں کھٹک پیدا ہو، اگرچہ لوگ تجھے فتویٰ دیں (یعنی لوگوں کی فتویٰ پر اعتبار نہ کیا جائے اصل مفتی اندر کا انسان ہے اس سے پوچھ لیا جائے)

یہاں فتویٰ دینے والے جس نفس کا ذکر کیا گیا ہے وہ نفس لوامہ ہے مسلسل گناہ کرنے سے نفس نیکی و بدی کے سلسلہ میں فتویٰ دینے کی صلاحیت سے بڑی حد تک قاصر ہو جاتا ہے۔ اس لئے نفس کو بیدار رکھنے اور فتویٰ کے لائق بنائے رکھنے کے لئے گناہوں سے اجتناب ضروری

ہے۔

انسان کی ابتلا و آزمائش کے لئے قدرت کی طرف سے اس کے اندر جو گوناگوں اور گہری نفسی خرابیاں رکھی گئی ہیں۔ جدید علم نفسیات نے اسے عملاً ثابت کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ماہرین علم نفسیات کہتے ہیں۔

''انسان اگر اپنی روزمرہ سرگرمیوں کا جائزہ لے تو اسے معلوم ہوگا کہ اس کے بیشتر اعمال کا سبب جذبہ خودنمائی اور حب جاہ ہی ہے۔ بڑے بڑے فوجی سربراہ اور بہادر انسان جو اپنی جانیں خطرات میں مبتلا رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے علم کے پیاسے جو علمی مسائل کی تحقیق میں اپنی صحت تک برباد کر دیتے ہیں۔ بڑی بڑی پاکباز خواتین جو اپنی عصمت کے تحفظ کے لئے اپنی زندگیوں سے ہاتھ تک دھو دیتی ہیں، ان سب کی تہہ میں اکثر یہ جذبہ کام کر رہا ہوتا ہے کہ دوسروں کی نظر میں اپنی فضیلت اور برتری ثابت کر کے کس طرح ناموری حاصل کی جائے۔

ناموری اور خودنمائی کے جذبہ کی تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ دوسروں کے ذہن میں اپنے بارے میں اچھا تاثر، خوش اعتقادی اور محبت پیدا کرنے کی کوشش و خواہش ہو۔ اس طرح کے لوگ اپنے عمل سے ایثار، ہمدردی، پاکبازی، خداترسی اور اخلاق حسنہ کا ثبوت دیتے ہیں یا مظاہرہ کرتے ہیں، تاکہ اس سے دوسروں کے دل میں محبت و عقیدت کا جذبہ پیدا ہو۔

جذبہ خودنمائی و حصول جاہ کی دوسری شکل یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے علمی کمال حاصل کیا جاتا ہے یا جسمانی صلاحیتوں کو فروغ دیا جاتا ہے تاکہ ان چیزوں کے ذریعہ سے معاشرہ میں عزت و وقار اور توقیر پیدا ہو۔ اس طرح جذبہ عزت و توقیر فروزاں و تسکین پذیر ہوتا ہے۔

اس کی تیسری صورت یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو محض حصول نام و نمود کی غرض ہوتی ہے، اس سے بحث نہیں ہوتی کہ نیک نامی حاصل ہوگی یا بدنامی۔ عام طور پر لوگوں کے اندر بیک وقت یہ تینوں خواہشات پائی جاتی ہیں لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے اندر صرف ایک ہی خواہش پائی جاتی ہے۔

انسان کے اندر اپنے عیوب کو مخفی رکھنے اور اپنی خوبیوں کو نمایاں کرنے کا جو مادہ موجود ہے وہ دراصل اسی جذبہ خودنمائی اور حصول جاہ ہی کا نتیجہ ہے۔ جن خاصیتوں کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ نام و نمود، عزت و شہرت یا محبت و عقیدت حاصل ہوگی ان خاصیتوں کو نمایاں رکھنے کی کوشش

کی جاتی ہے اور جن کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے بے وقعتی اور سبکی حاصل ہوگی انہیں چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ اپنی خوبیاں دوسروں کے سامنے اس طرح پیش نہ ہوں کہ نمائش کی جھلک محسوس ہو، ورنہ بات ظاہر ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں یہ احتیاط کی جاتی ہے کہ اپنی تعریف خود نہ کی جائے ورنہ دوسرے لوگ تعریف کرنے میں بخل سے کام لیں گے۔ داد و ستائش اور تعریف ایک عطیہ و انعام ہے جو سوسائٹی افراد کو از خود خوشی سے دیتی ہے جب کوئی شخص خود ہی اپنے آپ کو داد و ستائش کا مستحق قرار دیتا ہے تو سوسائٹی اسے اپنی توہین تصور کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ فرد نے اسے ایک حق سے محروم کر دیا ہے۔

انسان نے داد طلبی کے لئے مخفی راستے اختیار کر رکھے ہیں اس کی ایک دقیق صورت یہ ہے کہ ایک شخص لوگوں کے سامنے اپنی کمزوریاں خود ہی بیان کرنا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن ایسا کرنے سے اس کا پوشیدہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی تردید کرنا شروع کر دیں۔ یا کم از کم اس سے ہمدردی کا اظہار کریں جب تک لوگوں کے سامنے متکلم کی اندرونی نیت ظاہر نہیں ہوتی تب تک وہ اس کی مدح و تعریف کرتے ہیں۔ لیکن جونہی انہیں اصل صورتحال کا علم ہو جاتا ہے تو وہ فرد ان کی نگاہوں میں بے وقعت ہو جاتا ہے۔

ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ اگرچہ جذبہ شہرت و انانیت و خودنمائی ہر فرد میں موجود ہوتا ہے لیکن درج ذیل طبقوں میں یہ جذبہ بری طرح موجود ہوتا ہے اور بڑی خطرناک اور خوفناک شکل میں سامنے آتا ہے۔

دولت مند: چونکہ دولت ایسی چیز ہے جس سے دنیاوی لذت و راحت کا ہر مادی سامان خریدا جا سکتا ہے اس لئے دولت مند اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز سمجھنے لگتا ہے۔ دولت اس کی نفسیات میں ایک بنیادی روگ پیدا کر دیتی ہے وہ اپنے آپ کو دوسری دنیا کی مخلوق سمجھنے لگتا ہے۔

اقتدار و اختیار: چونکہ حکومت و اختیار سے عام لوگوں پر حکم چلانے کا موقعہ ملتا ہے۔ نیز انہیں اپنا محکوم و ماتحت سمجھنے کی نفسیات جنم لیتی ہے۔ اسلئے حکمرانی و افسری سے نخوت و تحکمانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

علم و فضل۔ علم، دانشوری اور خطابت سے اپنی علمی فضیلت اور عظمت کا زعم پیدا ہونے لگتا ہے۔ اس لئے عام طور پر یہ چیز بھی نخوت و فرعونیت کا ذریعہ بن جاتی ہے اور عجز و انکساری، حقیقت

پسندی اور انسانیت کی عام سطح پر آنے کی راہ میں حجاب اکبر بن جاتی ہے۔

زہد وتقویٰ۔ چونکہ زاہد عبادت میں ریاضت کو دائمی کامیابی کا ذریعہ سمجھتا ہے جب اسے اپنی اس کامیابی کا مرکز اپنی ذات میں نظر آنے لگتا ہے تو اس سے اپنی بزرگی کا تصور راسخ ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں اپنی شخصیت کو نمایاں اور ممتاز سمجھتا ہے۔ زہد کا زعم بڑے بڑے عابدوں اور زاہدوں کے اندر تکبر اور بڑائی کی ''صفت'' پیدا کر دیتا ہے۔

ان بنیادی روگوں کی نشاندہی کے بعد اب سوال یہ ہے کہ ان کا علاج اور اصلاح کا طریقہ کیا ہے؟ یہ ایک بہت اہم سوال ہے ایسا سوال جس پر افراد کی دائمی فلاح ونجات کا دارومدار ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہاں اس امر کی نشاندہی ضروری ہے کہ وہ افراد جو گناہوں کی آلودگیوں سے قلب سلیم کی ''دولتِ عظمیٰ'' کو بچا لیتے ہیں وہ مربی ومزکی کی صحبت کے بغیر بھی محض اپنی ذاتی کوششوں سے اپنے اندر وہ صلاحیت پیدا کر لیتے ہیں جس سے وہ انا، خودنمائی اور حب جاہ وغیرہ کے امراض سے بڑی حد تک محفوظ ہو جاتے ہیں اور شرح صدر کا مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن عام طور پر یہ نعمت عظمیٰ مربی ومزکی کی زیرنگرانی تربیت اور اس کی مسلسل توجہ اور صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ انسان میں پوشیدہ سرکش حیوانی قوتوں کو مطیع کرنے کے عمل کا تعلق عقل انسانی سے نہیں عقل وشعور معلومات کا مرکز جہاں سے علم حاصل ہوتا ہے لیکن جبلی قوتوں میں اعتدال پیدا کرنے میں عقل زیادہ معاون ثابت نہیں ہوتا۔ جدید نفسیات یہی کہتی ہے کہ انسانی عمل کی فیصلہ کن قوت شعور نہیں بلکہ لاشعور ہے مزکی ومربی انسان کے شعور کی بجائے تحت الشعور اور لاشعور کو متاثر کرتے ہیں اور اس میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں۔

مربیوں اور مزکیوں کی صحبت سے نہ صرف گہرے روحانی اور باطنی امراض کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ صحبت کے ساتھ اگر مجاہدہ بھی ہو تو ان امراض سے گلوخلاصی بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ دین کا کام کرنے والوں کو صحبت کی جتنی ضرورت پہلے تھی آج اس سے کہیں زیادہ ہے۔ (جاری ہے)

ہمارا نظامِ تعلیم

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

انگریزوں نے برطانوی ہند کے لئے تعلیم کا جو نقشہ مرتب کیا تھا اس کا ایک بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہندوستانیوں کی ذہنیت کو بدل دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ذہنیت غلامانہ ہونے کے بعد پوری زندگی۔۔۔۔انفرادی و اجتماعی۔۔۔۔متاثر ہوگی اور نتیجے کے طور پر قومی تمدن، ثقافت، تہذیب، اخلاق، افکار غرض پورا انداز زیست بدل جائے گا۔ نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ دوسری قوموں سے اس وقت بحث نہیں۔ ہم صرف مسلمان قوم کی اثر پذیری کا ذکر کر رہے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ مسلمان قوم کا دین اور دین کا ایک بہت بڑا حصہ۔۔۔۔اخلاق۔۔۔۔متاثر ہو کر رہا۔ اور یہ تاثر بھی کچھ عجیب انداز کا تھا کہ حاکم قوم سے اچھی باتیں نہیں سیکھیں۔ بس یہی ہوا کہ اسلامی ذہن اور اسلامی اخلاق سے دور ہوتے چلے گئے۔ یہ تاثر اس قدر پختہ ثابت ہوا کہ آزاد پاکستان کے قیام کے بعد کسی محکوم قوم کی اخلاقی زندگی فوراً نہیں بدل جاتی۔ لیکن اگر اٹھارہ سال کے عرصے میں بھی نہ فقط یہ کہ بدل نہ سکیں بلکہ کچھ مزید اخلاقی خرابیوں میں مبتلا ہو جائیں تو تعجب ہونا چاہیے۔

مسلمانی فطرت

لیکن سوال یہ ہے کہ اس درد کا درماں اور اس مرض کا مداوا کیا ہے؟ ہمارے اس سوال کا ایک ہی جواب ہے اور وہ جواب ہے "دینی تعلیم" جس کا لازمی جز ہے اخلاقی تربیت۔ مسلمان قوم کے مزاج کی افتاد دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے۔ اہل اسلام صرف خدا کے نام پر جمع ہو سکتے ہیں۔ انہیں صرف دینی تصورات ہی اپنی طرف کھینچ سکتے ہیں۔ اپنی ہزار گراوٹوں کے باوجود اس قوم میں اب بھی اتنا دم خم ہے کہ اپنی عزیز ترین متاع کو اسلام ہی کے نام پر قربان کر سکتی ہے۔ اس سے زیادہ کشش رکھنے والی کوئی چیز اس کے لئے نہیں۔ اِس لئے آغازِ کار یہیں (دین) سے ہونا چاہیے۔

دین و دنیا کی ثنویت

دین کا جو تنگ اور محدود تصور عرصہ دراز سے جڑ پکڑ چکا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم کو دو الگ الگ حقیقتیں تسلیم کیا جاتا ہے۔ آپ نے بارہا سنا ہوگا کہ اسکول میں تیسرا گھنٹہ دینیات کا ہوتا ہے" یعنی اس گھنٹے سے پہلے اور بعد میں جو سبق جغرافیہ، تاریخ، سائنس، ریاضی وغیرہ کے پڑھائے جاتے ہیں وہ گویا "بے دینی" کے گھنٹے ہیں۔ یا یوں کہیے کہ ایک گھنٹہ

دینیات کا اور باقی سارے گھنٹے ''دنیاویات'' کے یا ''بے دینیات'' کے ہوتے ہیں۔

تعلیم گاہوں میں ثنویت

پھر آگے چلیے آپ کو جابجا بڑے بڑے سائین بورڈ ملیں گے جن پر مختلف دارالعلوم یا جامعہ کے نام موٹے حرفوں میں لکھے ہوں گے۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ دینی مدارس ہیں۔ یعنی دنیا سے ان کا کوئی سروکار نہیں۔ یہاں صرف دینی علوم پڑھائے جاتے ہیں اور اگر آپ کچھ دنیاوی علوم بھی پڑھنا چاہیں تو یہاں پندرہ سال دینی علوم پڑھیے۔ اس کے بعد اتنی ہی مدت کے لئے اسکولوں اور کالجوں میں دنیاوی علوم پڑھیے۔ اس طرح دینیات اور دنیاویات دونوں کے عالم ہو جائیں گے۔ ان دینی مدارس کی کیا تعلیم ہوتی ہے ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) قرآن۔ زیادہ سے زیادہ سورہ بقرہ کی پرانی تفسیر بیضاوی یا بعض جگہ تفسیر جلالین جس کے تفسیری الفاظ خود قرآنی الفاظ سے زیادہ نہیں۔ مکمل قرآن، ادبی، اخلاقی، تاریخی غرض کسی نقطہ نگاہ سے بھی کسی دینی مدرسے میں مکمل نہیں پڑھایا جاتا۔

(۲) صحاح ستہ۔ اپنے تمام رطب یابس سمیت اور وہ بھی کسی ایک فرقے کے زاویہ نظر سے۔

(۳) مناظرہ۔ مثلاً رشیدیہ جس میں مناظرے کے اصول اور غالب آنے کے گُر موجود ہیں۔

(۴) فلکیات۔ مثلاً تصریح الافلاک حالانکہ یہ بالکل پرانا اور فرسودہ ہو چکا ہے اور اس کے نظریات بالکل لایعنی ہو چکے ہیں۔

(۵) فقہ۔ مثلاً شرح وقایہ جس میں ابھی تک لونڈی غلام کے مسائل پڑھائے جاتے ہیں جن سے زندگی کو کوئی تعلق نہیں ہوتا اور مسائل کی جو موشگافیاں ہوتی ہیں وہ تو پڑھنے ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۶) ادب۔ مثلاً معلقاتِ سبع کے عریاں قصائد۔ نفحتہ الیمن کی ہیجان انگیز حکایات ۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ

بعض مدارس میں تاریخ اور جغرافیے اور ریاضی کی ضرورت محسوس کی گئی ہے، بہر حال یہ ہیں وہ دینی علوم جو ان مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں اور یہ اس لئے دینیات ہیں کہ عربی زبان میں ہوتے ہیں۔ اگر یہ چیزیں انگریزی میں ہوں تو ان کا تعلق کالج سے ہو جاتا ہے اور جو چیزیں

انگریزی میں ہوں تو ان کا تعلق کالج سے ہو جاتا ہے اور جو چیز کالج میں ہو وہ دینیات نہیں ہوتی بلکہ دنیاویات ہوتی ہے۔

نتائج تعلیم میں تباعد

چونکہ ذہنوں پر یہی نقش کیا گیا ہے کہ دین ایک الگ چیز ہے اور دنیا ایک جداگانہ شے ہے اس لئے نتیجہ بھی اسی کے مطابق نکلتا ہے۔ یعنی ان دینی مدارس سے جو فارغ التحصیل عالم ہو کر نکلتا ہے وہ صرف ''دین'' کے کام کا ہوتا ہے۔ دنیا سے اسے بظاہر مطلب نہیں ہوتا یعنی وہ نہ اکاؤنٹنٹ بن سکتا ہے نہ آڈیٹر، نہ کمانڈر، نہ پائلٹ، نہ انجنیئر ، نہ بزنس مین، نہ کارخانے دار، نہ پروفیسر، نہ سفیر نہ وزیر، یہ تمام کام دنیا کے ہیں اور عالم ہوتا ہے دیندار لہٰذا وہ صرف دینی کام کر سکتا ہے۔ یعنی نماز پڑھا سکتا ہے، وعظ کر سکتا ہے۔ مناظرہ کر سکتا ہے اور تکفیر کر کے تفریق اُمت کا کارنامہ انجام دے سکتا ہے۔ غرض یہ ہیں دینی کام جو دینی مدارس کا فارغ التحصیل عالم کر سکتا ہے۔ باقی سارے کام دنیا کے ہیں جو دنیاداری ہے اور خلاف تقویٰ ہے۔ ''مسائل'' صرف وہ ہیں جو شرح وقایہ میں ہیں۔ ''مسائل زندگی''

گویا بالکل الگ اور دنیاداری کی چیز ہے۔

تعلیم گاہوں میں وحدت

ہم واشگاف لفظوں میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جس طرح اسلام میں ملوکیت اور پیشوائیت کا کوئی تصور نہیں اسی طرح دیندار مسلمان اور دنیادار مسلمان کی تفریق کا بھی کوئی تصور نہیں۔ اِس لئے ''عالم دین'' کے موجودہ تصور کا بھی ۔۔۔۔ ایک الگ تھلگ طبقے کی حیثیت سے ۔۔۔۔ اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ اسلام میں دین دنیا سے الگ کوئی شے نہیں بلکہ اسی دنیا کو خدا کی مرضی کے مطابق چلانے کا نام دین ہے۔ اس لئے ہماری تعلیم گاہیں الگ الگ دو دو ہونا درست نہیں۔ تعلیم گاہ صرف ایک ہونی چاہیے اور وہ سراپا دینی ہو گی جتنے علوم پڑھائے جائیں گے وہ سب دینی ہی متصور ہوں گے۔ جتنے گھنٹے ہوں گے وہ سب دینیات ہی کے گھنٹے ہوں گے۔ کیونکہ دنیا کے جتنے علوم و فنون بھی ہیں یا ہو سکتے ہیں وہ سب عین دینی اور اسلامی ہوں گے بشرطیکہ متعلمین کا ظرف دینی اور روش اسلامی ہو''عالم دین'' کا لفظ بھی ہمارا خود ساختہ ہے۔ عالم ہر وہ مسلم ہے جو کسی علم کو حاصل کرے۔ کوئی حدیث کا عالم ہے کوئی ہائی جین کا۔ کوئی تفسیر کا عالم ہے۔ کوئی عمرانیات کا۔ کوئی فقہ کا عالم ہے اور کوئی تاریخ کا۔ کوئی فرائض کا عالم ہے کوئی سائنس

کا۔غرض جو علم بھی انسان حاصل کرتا ہے وہ اس علم کا عالم ہے صرف مدرسے کا فارغ التحصیل یا صرف فرقہ کا واقف کار ہی عالم نہیں۔عالم کے معنی ''اسکالر'' کے ہیں خواہ کسی علم وفن کا اسکالر ہو۔ اس تصور کی بنیاد پر ہماری تعلیم گاہ قائم ہونی چاہیے کہ وہاں دین اور دنیا کی کوئی تفریق نہ ہو اور دینی اور دنیوی تعلیم کی ثنویت کو یک لخت ختم کر دیا جائے۔

اخلاقی تربیت

اِس کے ساتھ ایک بڑا ہی ضروری، اہم اور بنیادی مرحلہ رہ جاتا ہے کہ اس جامع تعلیم کے ساتھ ان کی بڑی اعلیٰ اخلاقی تربیت بھی ہو۔کیونکہ اخلاق کے بغیر کوئی قومی کردار نہیں پیدا ہو سکتا۔ اور دین کا سارا تصور ہی اعلیٰ کردار کے بغیر بے معنی سا ہو جاتا ہے۔علوم وفنون کی غیر ضروری منطقی موشگافیوں سے کہیں زیادہ یہ ضروری ہے کہ متعلمین کے اندر اخلاقی قدروں کی اہمیت جاگزیں ہو جائے اور وہ یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ انسانیت اور اخلاق کے بغیر علمی زندگی بے معنی ہوتی ہے **العالم بلا عمل كالبحر بلاماء** بے عمل اہل علم ایسا ہی ہے جیسے بے پانی کا دریا۔اور دینی زندگی یہ نہیں کہ محض نماز روزے کی پابندی کر لی جائے اور یہ سمجھ لیا جائے کہ اس سے تمام اخلاقی بدعنوانیاں معاف ہو جاتی ہیں بلکہ خدا سے رابطہ قائم ہی اس وقت ہوتا ہے جب خدا کے بندوں سے رابطہ صحیح ہو۔اخلاقی زندگی کے بغیر دینی زندگی کے کوئی معنی ہی نہیں ہوتے۔اخلاق کی کسی کتاب کو محض اس لئے رٹ لینا کہ امتحان میں پاس ہو جائیں کوئی معنی نہیں رکھتا۔

تصور گناہ وثواب

اِس کے لئے گناہ وثواب کا موجودہ غلط تصور بھی بدلنا ہوگا۔ہمارے موجودہ معاشرے میں مرا ہوا جانور کھا لینا تو بہت بڑا گناہ ہے لیکن چغلی کھانے کو وہ اہمیت حاصل نہیں حالانکہ از روئے قرآن اس کا درجہ وہی ہے جو اپنے بھائی کی لاش کو نوچ کھانے کا ہے۔اسی طرح ہمارے ہاں وظیفہ پڑھنے کا بڑا ثواب ہے لیکن خدمت خلق کو وہ درجہ حاصل نہیں حالانکہ ارشاد نبوی میں بہترین انسان اُسے قرار دیا گیا ہے جس سے دوسروں کو نفع پہنچے۔غرض اس قسم کے بے شمار غلط تصورات جو گناہ وثواب سے وابستہ ہیں ہمارے معاشرے میں رائج ہیں جن کو یکسر بدلے بغیر اخلاقی اقدار کی اہمیت واضح نہ ہو سکے گی۔اور ان پر پوری توجہ کرنا ضروری ہے۔

نومسلم کا تعارف

محمد صدیق (انگلستان)

(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

جب میں مسلمان ہوا تو میرا اسلامی نام ''صدیق'' قرار پایا۔ میں شروع ہی میں اعتراف کرتا چلوں کہ میں اس انتہائی باعزت اور عظیم نام کا اہل نہیں ہوں تاہم اس کے معنی و مفہوم اس اعتبار سے میرے لئے خاص اہمیت کے حامل ہیں کہ میں پچھلے سالہا سال سے ''صدق'' یعنی صداقت اور سچائی کی تلاش میں سرگرداں تھا اور اب اللہ کے فضل سے بجا طور پر اعلان کر سکتا ہوں کہ میں نے اسے صحیح معنوں میں پالیا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔

ومن یطع الله والرسول فاولئك مع الذین انعم الله علیهم من النبیین و الصدیقین والشهداء والصالحین و حسن اولئك رفیقا۔ (النساء۔69)

''یعنی جو لوگ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کی ان جماعتوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے اور کتنی اچھی ہے ان لوگوں کی رفاقت''

میں نے ایک SCOTTISH PRESBYTERIAN گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ ہمارا خاندان کچھ زیادہ مذہبی واقع نہیں ہوا تھا۔ تعلیم بھی بس واجبی سی تھی۔ ہر اتوار کو رسمی طور پر گرجے میں حاضری بھی دی جاتی تھی اور بائبل کا درس بھی سنا جاتا مگر دلچسپی اور عقیدت کا عنصر مفقود تھا۔ چنانچہ ہفتے کے باقی چھ دن ہمارے گھر میں مذہب یا بائبل کے بارے میں کبھی کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔ مجھے خوب یاد ہے، میں نے بائبل کا پرانا اور نیا عہد نامہ بالکل اسی نقطہ نظر سے پڑھا تھا جس طرح عام طور پر نئی اور پرانی کہانیاں پڑھی جاتی ہیں۔ لیکن جب ذرا ہوش سنبھالا اور شعور نے آنکھیں کھولیں تو میں نے ان کہانیوں پر اعتراض کرنے شروع کر دیئے۔ خصوصاً ان کی ثقاہت کے بارے میں ذہن شکوک و شبہات سے بھر گیا۔ ایسا کیوں ہے؟ ویسا کیوں ہے؟ کیا خدا کی منشا یہی ہے کہ میں عقل و خرد سے بے نیاز ہو کر بائبل پر اندھا اعتقاد رکھوں؟ اگر ایسا ہے تو انسانی شعور و ادراک کا کیا مصرف ہے اور خدا نے یہ نعمتیں کیوں عطا کی ہیں؟ پھر مسیحیت کے مختلف فرقے کیوں ہیں جب کہ ہر گروہ دوسرے کی شدومد سے مخالفت کرتا ہے۔ ان سارے

والوں نے مجھے شدید الجھن میں مبتلا کر دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کروں اور کدھر جاؤں؟ چنانچہ سالہا سال تک یہ حالت رہی کہ زندگی میں زبردست خلا محسوس ہوتا رہا۔ کسی بات میں جی نہیں لگتا تھا۔ معمولات پر اکتاہٹ کی کیفیت طاری رہتی تھی۔

میں پیشے کے اعتبار سے معالج ہوں یعنی MALE NURSE۔ میں ہسپتالوں اور عام گھروں میں کام کرتا ہوں اور اس سلسلے میں بیرونِ ملک کے کئی سفر بھی کئے ہیں۔ میں نے ان گنت مرتبہ زندگی، موت اور جسمانی اذیتوں کو بڑے قریب سے دیکھا ہے۔ چنانچہ میں اکثر سوچتا تھا، اس سب کچھ کا آخر مطلب کیا ہے؟ کیا ہم دنیا میں صرف اسی لئے آئے ہیں کہ تھوڑا عرصہ زندہ رہیں پھر مرجائیں اور ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائیں؟ نہیں، میرا ضمیر پکار اٹھتا تھا کہ ایسا ہرگز نہیں۔ میرا یقین پختہ ہوتا چلا گیا کہ خدا موجود ہے جو ہماری حفاظت کرتا ہے اور موت ہمارا خاتمہ نہیں کرتی۔ میرا یہ اعتقاد بھی تھا کہ خدا نے ہی حضرت مسیح کو انسانوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا تھا۔ مگر میں تثلیث کو ماننے سے سخت انکاری تھا۔

صرف یہی نہیں، میں فطرت اور کائنات کے نظام پر غور کرتا تو کسی شک وشبے کے بغیر یہ بات عیاں ہوجاتی کہ اس سارے نظام کے پیچھے ایک قانون، ضابطہ اور حکمت کارفرما ہے اور اس کی باگ ڈور کسی برتر و بالا ہستی کے ہاتھ میں ہے، اس امر میں بھی کوئی شک نہ تھا کہ اگرچہ انسان قوانین طبعی کو بدلنے پر قادر نہیں مگر دنیا کی ہر چیز اس کے فائدے کے لئے ہے۔ چنانچہ میرے ذہن میں یہ بات آئینے کی طرح صاف ہوتی چلی گئی کہ خدا نے انسانی زندگی اور عمومی رویے کے لئے یقیناً ایک صحیح قانون، متوازن دستور العمل اور حکیمانہ ضابطہ مقرر فرمایا ہوگا۔ میں اس ضابطے کی جستجو میں لگ گیا اور ایک غیر متوقع واقعہ نے مجھے میری منزل کے قریب کردیا۔

ہوا یوں کہ ایک ایرانی مسلمان کینسر کے موذی مرض میں مبتلا تھا۔ مجھے اس کی نگہداشت کرنی پڑی۔ وہ جسمانی اور ذہنی کرب کی جس غیر معمولی حالت میں مبتلا تھا، اس کا مشاہدہ مجھے اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ مگر حیرت ناک بات یہ تھی کہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ رہتی اور خدا پر اس کا یقین ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں ڈگمگاتا تھا۔ وہ مرگیا اور مرنے سے تھوڑی دیر پہلے اس نے قرآن پاک منگوایا اور اسے دیکھا، مجھے اس عظیم انسان کی تیمارداری پر بڑا فخر تھا، بار بار خیال آتا کہ۔۔ کونسا جذبہ تھا جو آخری دموں پر بھی اس شخص کو مسکرانے کی جرات عطا کرتا تھا اور اس کی امید نہیں

ٹوٹتی تھی۔ یہی تجسس مجھے اس کی قبر پر لے گیا۔ قبرستان کے قریب ایک عمارت میں ایک مسلمان مقیم تھا۔ اس نے مرحوم کی قبر تک میری رہنمائی کی اور میری خواہش پر اسلام کے بارے میں مجھے کچھ لٹریچر بھی فراہم کیا۔

میں نے فرصت کے لمحات میں اس لٹریچر کا مطالعہ کیا تو یوں لگا جیسے گھپ اندھیروں میں روشنی کی ایک پاکیزہ کرن میرے سینے میں اتر آئی ہے۔ میں کئی مرتبہ وہاں گیا اور اسلام کے بارے میں کتابیں لاتا رہا۔ زبانی گفتگوئیں بھی ہوئیں اور مسلمانوں نے میرے تمام سوالوں اور اعتراضات کا جواب دیا۔ آخر میں میں نے قرآن کو سمجھنے کا ارادہ کیا اور اسے پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ خدا کا شکر ہے، جلد ہی گوہر مقصود ہاتھ آ گیا۔ میں نے حضرت محمد ﷺ کے واسطے سے خدا کو پہنچان لیا۔ میں نے دیکھا کہ قرآن میں ہر وہ چیز موجود ہے، جس کی انسان کو ضرورت ہے۔ قانون، ضابطہ حیات، رہنما اصول اور سب سے بڑھ کر عقل وشعور کی کارفرمائی۔ یہ عقل و شعور ہی ہے جو حق یعنی صدق کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ قرآن میں ہے۔

اکان للناس عجباً ان اوحینا الیٰ رجلٍ منھم ان انذر للناس و بشر الذین امنوا ان لھم قدم صدقٍ عند ربھم (سورہ یونس 2)

ترجمہ ! ''کیا لوگوں کو تعجب ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص پر وحی کی تا کہ وہ لوگوں کو (خدا کے عذاب سے) ڈرائے اور اہل ایمان کو خوشخبری دے کہ اللہ کے ہاں ان کا مرتبہ بلند ہے''

''قدم صدق'' کے معنی مضبوطی سے جم جانے کے بھی ہیں۔ میں یہ آیت پڑھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ خوشخبری میرے لئے بھی ہے۔ اب شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ حق عیاں ہو کر سامنے آ گیا تھا۔ چنانچہ 28 ستمبر 1958ء کا یادگار دن تھا جب میں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

الحمدللہ رب العالمین، مسلمانوں میں مجھے بہت سے اچھے اور مخلص دوست ملے۔ اب میری زندگی اور معاملات بامقصد بھی ہیں اور بامعنی بھی' اب میں دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتا ہوں تو مجھے اکیلے ہونے کا کبھی احساس نہیں ہوتا۔ خدا ہر وقت میرے ساتھ ہے، جو میری رہنمائی کرتا ہے۔

(ترجمہ از ''یقین انٹرنیشنل کراچی'' 7۔اکتوبر 1968ء)

خلافت، ملوکیت اور آفاقیت

(کے ایم اعظم)

ہر چند کہ اسلام کا انقلاب دنیا کے عظیم ترین انقلابوں میں سے تھا، مگر اس کا طریق کار روائتی انقلابوں جیسا نہ تھا، کیونکہ اس نے قبل از انقلاب کے حکمران طبقہ کو تہ تیغ کرنے کی بجائے اسلام میں شامل کر لیا تھا اور عام معافی کا اعلان کر دیا تھا۔ ہر چند کہ اکابر صحابہ کرام نے فتح مکہ پر فرمایا تھا کہ آج بدلہ لینے کا دن ہے، مگر رسول عالی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، آج عفو و درگزر کرنے کا دن ہے۔ بے شک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق بجانب ہوتے اگر وہ سب دشمنان اسلام کی گردنیں اڑانے کا حکم صادر فرما دیتے اور ان کی تمام دولت بحق اسلام ضبط فرما لیتے۔ مگر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہ کیا بلکہ مکہ کے مشہور زمانہ تاجروں کا تجارتی اور انتظامی تجربہ، کثیر سرمایہ اور فن سپہ گری اسلام کی خدمت میں mobolize کر لیا۔ بہر حال نتیجتاً اسلامی معاشرہ میں اوائل سے ہی دو طبقات موجود رہے، جو سیدنا عمرؓ کی شہادت کے بعد فتنہ الکبریٰ میں منتج ہوئے۔ ایک طبقہ مکہ کے زیادہ تر اموی امراء کا تھا، جو اسلام کے آنے سے پہلے بھی مالدار اور طاقتور تھے اور جنہوں نے فتح مکہ پر اسلام قبول کر لیا تھا (السابقہ فی الاسلام) اور جن کی دولت اور عزت ساری کی ساری اسلام ہی کی وجہ سے تھی۔ تاریخ اسلام پہلے طبقہ کو طلقاء اور دوسرے طبقہ کو اہل ایام کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اگر ہم اس طبقاتی تفریق کو نظر انداز کر دیں گے تو ہم اسلامی تاریخ کے اہم واقعات کو پوری طرح سے سمجھنے سے قاصر رہیں گے، مثلاً سیدنا عثمانؓ کے خلاف بغاوت، جنگ جمل، جنگ صفین، سانحہ کربلا، اہل بیت کی عقوبت اور اکابر صحابہ کرامؓ سے بدسلوکیاں۔

ہم ہندی الاصل لوگوں کی ایک خامی یہ ہے کہ اخلاقی طور پر پست ہونے کے باوجود ہم عینیت پسندی میں بہت آگے بڑھے رہتے ہیں۔ اس کی ایک تاریخی وجہ شاید یہ ہے کہ ہندو مت کے اشرف 'اوتار اور بھگوان ہوتے تھے جبکہ اسلام میں فقط ایک نبی علیہ السلام ہی معصوم ہوتا ہے یا پھر فقہ جعفریہ کے مطابق چند گنے چنے امامؓ ' جبکہ باقی سب افراد مائل بہ عصیاں انسان ہوتے ہیں۔ یہ اسی رویہ کی وجہ ہے کہ ہمیں اسلامی تاریخ کے نشیب و فراز سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ جہاں تک اسلام کے مثالی دور کا تعلق ہے' تو اس دور کا تو کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس موجود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدنی دور دس سال کا ہے اس کے بعد شیخین کا بارہ سالہ دور ہے' جس میں سیدنا عمرؓ کی شخصیت اور دبدبہ نے مسلمانوں کو راہ راست پر رکھا۔ ایک

بار جب کچھ افراد نے حضرت عثمانؓ کو یاد دلایا کہ حضرت عمرؓ کے دور میں تو ایسا نہیں ہوتا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا ہم میں سے کون ہے جو عمرؓ کا مقابلہ کر سکے۔ اس طرح رسول اکرم ﷺ اور شیخین کا 22 سالہ دور ہے یا پھر خلافت راشدہ کے 30 سال لے لیں تو کل 40 سال بنتے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کی 1420 سالہ تاریخ صرف 22 سال کا دور یا پھر 40 سال کا دور ہے جسے مثالی کہا جا سکتا ہے۔ بہر حال ہر چیکہ اسلام کا مثالی دور تو دیر پا ثابت نہ ہوا' مگر دیناوی جاہ وجلال کے میدان میں اموی اور عباسی خلافتوں نے مسلمانوں کے اقتدار کا ستارہ عروج پر پہنچا دیا۔ اموی اور عباسی سلطنتوں سے بڑی سلطنت دنیا نے کبھی نہ دیکھی تھی اور مسلمانوں کی ہفت اقلیم، خلافت عثمانیہ کی شکل میں اس صدی کے شروع تک قائم ودائم رہی۔ یہ اسلام کی ملوکیت ہی کا ثمر ہے کہ آج ہم ہندی الاصل لوگ مسلمان ہیں ورنہ شاید مثالی اسلام جزیرہ نما عرب تک ہی محدود ہو کے رہ جاتا ہے۔ اسلام کا خوبصورت خواب سیدنا عمرؓ کی شہادت اور ملوکیت کے غلبہ کے نظر ہو کے رہ گیا۔ اسلام کی عالمگیر اخوت انسانی اور احترام آدمیت کا خواب آج بھی اپنی تعبیر کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ بقول علامہ اقبال ''اسلام تکمیل نہیں، بلکہ ایک تمنا اور آرزو ہے''۔ بے شک اسلام بطور ایک دین کے مکمل وکامل ہے مگر اس کا مشن ابھی پورا ہونا باقی ہے۔ ویسے بھی نبی آخر الزماں ﷺ کا مشن تو قیامت تک جاری وساری رہے گا ہی۔ اب دیکھنا یہ باقی ہے کہ دور حاضر کے مسلمان کب اور کیسے اس خواب کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں

اسلام نے ایک انقلاب آفرین سبق جو انسانیت کو دیا ہے' وہ یہ ہے کہ اصل معجزہ معصومیت یا پیدائشی ولی ہونے میں نہیں ہوتا۔ اصل معجزہ یہ ہوتا ہے کیسے نبی کی تربیت اور نظر کرم عہد جاہلیہ کے ایک اکھڑ سردار کو شہکار نبوت بنا دیتی ہے اور کیسے ایک ڈاکو کو ولی اللہ۔ آج کی جمہوریت، جس کا اصل کام لوگوں کے دل موہ لینا ہونا چاہئے تھا، ایسا کرنے نہیں پائی اور ہمارا نظام تعلیم وتربیت وہ افراد پیدا نہ کر سکا جن کی آرزو اور تمنا ہم میں سے ہر کوئی اپنے دل میں لئے ہوئے ہے۔

ہمارا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے عینی مقاصد اور زمینی حقائق میں خلیج بہت ہی بڑی ہے۔ سمجھنے کی بات یہ کہ نظام خلافت تو اس دنیا میں ایک بار ضرور قائم ہو کے رہے گا مگر یہ وہ لوگ قائم کریں گے، جنہیں رسول عالی مرتبت ﷺ نے اپنا بھائی کہا ہے۔ ہم اس کو قائم کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ زمینی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے' ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اپنے دور ملوکیت کی اچھی اچھی باتیں مثلاً منصفانہ حکومت (Good Governance) کو اپنالیں۔

اس سلسلہ میں ہمیں ہندوستان میں مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ دور حکومت پر خصوصی غور و خوض کرنا چاہیے۔ایک طرف تو بقول علامہ اقبال ''شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں اسلام کی وحدت خیز قوت کا بہترین اظہار ہوا ہے'' (خطبہ الہ آباد) تو دوسری طرف مسلمان حکمران اتنے وسیع و عریض ملک میں آٹھ سو سال پر محیط ایک ایسا کثیر النسل و عقیدہ معاشرہ (Plural Society) قائم رکھنے میں کامیاب ہو گئے، جس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ ہندوستان میں اپنی کثیر التعداد رعایا کے ساتھ مسلمان حکمران کا میل جول عدل و انصاف و رواداری اور مروت و شفقت پر مبنی تھا اور ہندو ان کے مداح اور قدر دان تھے بلکہ ان پر فدا تھے۔ ہندو سپاہی اور سپہ سالار مسلمانوں کی طرف سے ہندو راجاؤں کے خلاف بے مثال جانفشانی اور دلیری سے لڑتے۔ محمود غزنوی سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر تک مسلمان بادشاہوں کے نمایاں سپہ سالار راجپوت مہاراجے تھے۔ بقول ڈاکٹر تاراچند ''یہ (مسلمان) بلند مرتبہ لوگ تھے'' بقول پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام ''جو ہندو مسلم معاشرہ صلح و آشتی اور محبت و مروت کی اساس پر مسلمان حکمرانوں نے قائم کیا تھا، اس کی دو بنیادیں تھیں۔ ایک مسلمان فاتحین کی عسکری اور دوسری ان کی اخلاقی قوت۔ عسکری قوت سے وہ اپنے مخالف ماحول میں قائم رہے اور اخلاقی قوت سے انہوں نے اسلامی تہذیب و تمدن، تصوف و مذہب اور علوم و فنون کی نشر و اشاعت کی۔ ان اعلیٰ علوم و فنون نے ہندو معاشرے کو ہر اعتبار سے تبدیل کر دیا'' (اقبال اور ملی تشخص، بزم اقبال، 1998ء)

ہندوستان میں مسلمانوں کے عروج کا باعث ان کا اخلاق، رواداری اور موت سے نہ ڈرنا تھا اور ان کے زوال کا باعث ان کا اخلاقی انحطاط اور وہن یعنی دنیا سے محبت اور موت کا ڈر تھا۔ اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے انگریز حکمرانوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ سر زمین ہند میں ہندو مسلم نفرت کے بیج بو دیئے، یہاں تک کہ مسلمان عہد کی آٹھ سو سالہ تاریخ کو ہی مسخ کر دیا۔ اس افسوس ناک حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے 29 جولائی 1977ء کو ہندوستان کی راجیہ سبھا میں ڈاکٹر بی۔ این پانڈے (سابقہ گورنر اوڑیسہ سٹیٹ) نے ایک پر جوش تقریر میں حکومت ہند سے اپیل کی کہ وہ ہندوستان کی تاریخ کو درست کر کے پیش کرے، تاکہ ہندوستان کی آنے والی نسلیں مستقبل سے ایک صحیح ذہنی رخ کے ساتھ نبرد آزما ہو سکیں۔ بات سمجھنے کی یہ ہے کہ پاکستان کی سر زمین ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی جانشین ریاست ہے نہ کہ خلافت راشدہ

کی۔ پاکستان کے اسلامی فوبیا نے عربوں کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔عرب زعما کا خیال ہے کہ پاکستان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اسلام 1947ء میں دریافت ہوا تھا۔عرب کہتے ہیں اسلام ہماری زندگیوں کا ایک قدرتی حصہ ہے۔ یہ ہمارے لئے ایسے ہے جیسے کھانے میں نمک۔ ہمارے لئے ہر روز پاکستان کی طرح یہ اعلان کرنا ضروری نہیں کہ کھانے میں نمک بھی ہے۔ ہمارے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اب تو ہم میں اپنے دین کی نسبت سے خوداعتمادی آ جانی چاہیے اور ہمارا یہ خوف جاتا رہنا چاہیے کہ کوئی ہم سے اسلام چھین لے گا بلکہ ہمیں اسلام کے آفاقی پیغام کا علمبردار بن جانا چاہیے، جیسا کہ بانیان پاکستان کا مطمح نظر تھا۔

ہمیں یادرکھنا چاہیے کہ ہمارا ہدف فقط اسلامی ریاست کا قیام نہیں، بلکہ اس کے ذریعہ اسلامی عینی مقاصد، سچائی، انصاف، مساوات اور انسانی فلاح کو حاصل کرنا ہے۔ بے شک ہمیں دنیا پر ابھی یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم وہ بہترین امت ہیں، جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے دنیا میں لایا گیا ہے۔(3-110) پس ہمارا عقیدہ کٹر لفظی بنیاد پرستی یا بے لچک تقلید کا نہیں بلکہ تخلیقی جدوجہد کا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سب سے پہلے ہم اپنے نظام فکر کو صحیح لائینوں پر استوار کریں۔ اس سلسلے میں جس شے کا ہمیں سب سے پہلے فیصلہ کرنا ہوگا وہ یہ ہے کہ آیا ہمارا مطمح نظر فقط اسلام ہے یا فقط مسلمان یا پھر دونوں۔ پہلے اختیار میں مسلمانوں کو اسلام پر قربان کر دیا جائے جیسا کہ ہمارے ممدوح ڈاکٹر اسرار احمد، امیر تنظیم اسلامی نفاذ اسلام کی آخری صورت یہ بتلاتے ہیں کہ ”مسلمانان پاکستان کروڑوں کی تعداد میں ہندوؤں کے ہاتھوں قتل ہوں اور پھر ہندو اسلام لے آئیں۔ جیسے تاریخ میں ایک موقعہ پر تاتاریوں کے ہاتھوں کروڑوں مسلمان قتل ہوئے، لیکن پھر اسلام نے تاتاریوں کو فتح کر لیا۔اسی طرح اب بھی اسلام ہندو کو فتح کر سکتا ہے“ (ماہنامہ میثاق اپریل 1996ء)

دوسرے اختیار میں مسلمانوں کی خاطر اسلام کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ جیسے کہ ہمارے مغرب زدہ، فرنگی گزیدہ، آزاد خیال دانشور چاہتے ہیں۔ بے شک تیسرا اختیار ہی ہمارا مطمح نظر ہونا چاہئے جس کے تحت اسلامی نظام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا ضامن ہوگا اور مسلمان اسلام کے آفاقی پیغام کے علمبردار۔ پاکستانی مسلمانوں کا ایک بڑا تضاد یہ ہے کہ چاہتے تو وہ دنیاوی سرفرازی ہیں مگر جھنڈا اللہ ہی کا اٹھانا چاہتے ہیں اور ہماری یہ مجہول کوشش دونوں اللہ تعالیٰ اور مغرب کو ہمارا

دشمن بنا دیتی ہے۔ حیرت ہے کہ ہمارے معتبر دینی زعما جو عوام کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے نسخے بتاتے ہیں بذات خود اس فضیلت سے بہرہ مند نہیں۔

اسلام کا بنیادی تصور صحیح سمت اور درست جہت کا تعین ہے کیونکہ بنیادی دینی تصورات کے رخ میں ذرا سا فرق بالآخر تمام کے تمام دینی نظام فکر کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ شاید اس خطرے کے پیش نظر اللہ سبحان تعالیٰ نے، باوجود اس کے کہ وہ ہر رخ پر موجود ہے، مسلمانوں کے لئے عبادات اور فکر کا ایک ہی رخ متعین کیا ہے' جس کی کرہ ارض پر علامت کعبہ مکرمہ ہے، جو تمام مسلمان عالم کا قبلہ ہے۔ یہ رخ محض ایک رسم کے طور پر ہی متعین نہیں کیا گیا' بلکہ اس کا ایک گہرا روحانی مفہوم ہے۔ ہر مسلمان کو قرآن کریم کے کلی پیغام کو سمجھتے ہوئے، زندگی کے ہر شعبہ، اخلاق، تمدن، معاشرت، معیشت اور سیاست میں ایک مخصوص صالح انداز کو اپنانا چاہئے۔ اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک صالح انسان کا طرز عمل اللہ تعالیٰ اور بندوں کے ساتھ کیسا ہوتا ہے۔ اگر ہماری روحانی سمت ہی درست نہ ہوگی تو پھر ہمارے سارے کے سارے اعمال اور دینی مساعی رائیگاں جائیں گی اور دنیا کا ہر ضابطہ اور قانون بیکار ہو کے رہ جائے گا۔ قبلہ کی درستگی کا مطلب یہ ہے کہ ہماری سوچ نہ صرف محدود دینی اور مذہبی امور میں ہی درست اور صحیح ہو بلکہ بڑے بڑے معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل میں بھی صحیح اور وسیع ہو۔

مگر اس کے برعکس ہوا یہ کہ قرآن مجید کی فقط چند ایک آیات پر ہی انحصار کر کے اپنا اپنا اُلو سیدھا کیا گیا اور مختلف دینی زعماء نے مختلف عہدوں میں قرآن مجید ہی سے سرمایہ داری، اشتراکیت، زمینداری، جاگیرداری، ملائیت اور عسکریت کا جواز ڈھونڈ نکالا بلکہ خود پرستی کا یہ عالم رہا کہ اپنے اپنے سیاسی لائحہ عمل کو بھی قرآن ہی سے ماخوذ کیا گیا۔ اسلام کے نام پر اس سیاسی مفاد پرستی نے اسلام کو بالخصوص گزرے ہوئے سامراجی دور میں، ایک عضو معطل بنا کے رکھ دیا۔ آج بھی فہم قرآن کے اس جزوی میلان اور دینی اکابرین کے ذاتی مفادات نے اسلام کو سیاسی اور مسلکی تنازعات میں گھیر رکھا ہے اور اس کی ہمہ گیر قوت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اس کے باوجود اپنے اپنے ناقص فہم قرآن اور اسلام کی مسخ شدہ تصویر پر ان دینی امراء کو زعم یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ ان کا ہمہ وقت حامی و ناصر ہوگا۔ حالانکہ ایک عرصہ دراز سے اللہ تعالیٰ نے ان پر خواری و مسکنت مسلط کر رکھی ہے گو وہ اس سے بے خبر ہیں۔ یہی دینی اکابرین گر چاہیں تو اللہ جل جلالہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ کر اور قرآن کے بنیادی تصورات، توحید، تقویٰ، عدل و احسان، مساوات و

مواسات، میانہ روی، رواداری اور باہمی مشاورت کو اپنا کر کامیاب و فتح یاب ہو سکتے ہیں۔

اسلام کا امتیازی نشان اس کا توحید پر خصوصی زور ہے۔ بے شک توحید ہی باری تعالیٰ کا ازلی اور فطری دین اسلام ہے جو کہ اس کا ہر رسول دنیا میں لے کر آیا ہے۔ توحید ہی وہ بنیادی تصور ہے، جس سے تھوڑا سا انحراف بھی، ہر قسم کی معاشرتی برائیوں کو جنم دیتا ہے، اس مرکزی تصور سے ذرا سی روگردانی ہی طاغوتی طاقتوں کو سر اٹھانے کا موقعہ دیتی ہے۔ جن کے زیر اثر نہ تو مہذب معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت ہو سکتی ہے۔

بقول علامہ اقبالؒ

''اسلام کو دین فطرت کے طور پر Realise کرنے کا نام تصوف ہے اور ایک اخلاص مند مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کیفیت کو اپنے اندر پیدا کرے۔ اس کیفیت کو میں نے emancipation سے تعبیر کیا ہے'' (انوار اقبال)

ہم شریعت اور روحانیت میں درمیانہ راستہ اختیار کرنے کی بجائے متشدد رویہ اپنائے رہتے ہیں یا تو شرک کی حدود کو چھونے لگتے ہیں یا پھر روحانیت کے لئے بے ادبی کا رویہ اختیار کر لیتے ہیں، حالانکہ ایسا کرنے کا کوئی جواز ہمارے پاس نہیں ہوتا۔ ہمارے کچھ علماء تصوف کے اعلیٰ اخلاقی معیار سے خائف ہو کر بھی اس مخالفت کا جواز ڈھونڈ نکالتے ہیں۔

دراصل ہمارے علماء کی خود پرستانہ اور ذاتی مفادات کی طرف مائل تفسیریں اور فقہی ترجیہات موجودہ دور کے بڑے بت ہیں۔ مختلف دینی جماعتوں اور تحریکوں کا یہ رویہ امت مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے اور اصل میں یہی فساد کی جڑ ہے۔ ہر جماعت صرف اپنے آپ کو دین کا سچا محافظ خیال کرتی ہے اور ان جماعتوں کے کارکنوں کا خودستائی و پارسائی کا مغرورانہ رویہ مسلم عوام کو اپنے دین سے دور کر رہا ہے۔ شاید ہمارے ایسے ہی زعما کا ایک اور المیہ یہ ہے کہ وہ جو کہتے ہیں، وہ کرتے نہیں اور عوام سے جھوٹے وعدے فرما کے اپنے آپ کو اور اپنے دین کو بدنام کرتے ہیں۔ اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں وہ اہداف اور اسباب میں تمیز کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور ان کو اس امر کا بھی شعور نہیں کہ باری تعالیٰ پر ایک پر جوش ایمان کی حدت سے اسباب پگھل کر اللہ والوں کے قدموں میں آ گرتے ہیں۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین، کارکشا، کارساز

آج اور کل

(طیبہ ضیاء)

سرداران قریش حضرت خبیبؓ کو تختہ دار کی طرف لے جا رہے تھے۔ خبیبؓ نے کہا۔ اگر تمہارے لئے ممکن ہو تو مجھے مرنے سے پہلے دوگانہ ادا کر لینے دو۔ آپؓ نے اپنے اللہ کے حضور دوگانہ شکر بڑے سکون سے ادا کیا اور سردارانِ قریش سے کہا۔ بخدا اگر مجھے اس بدگمانی کا اندیشہ نہ ہوتا کہ تم کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ میں نے نماز کو موت کے ڈر سے طوالت دی ہے تو میں سجدہ سے کبھی سر نہ اٹھاتا'' خون میں بھیگے ہوئے ان تاریخی جملوں کے بعد ظالموں نے آپؓ کا زندہ حالت میں مثلہ کیا یعنی آپؓ کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹتے جائیں اور کہتے جائیں کہ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوں اور تم اس تکلیف سے بچ جاؤ؟ اس حالت میں کہ جسم سے خون کے دھارے پھوٹ رہے تھے آپؓ کا یہی جواب تھا کہ خدا کی قسم مجھے یہ قطعاً پسند نہیں کہ میں اپنے اہل و عیال میں امن وچین سے رہوں اور محمد ﷺ کو ایک کانٹا بھی چبھے۔ خبیبؓ کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ آپؓ کی نگاہیں آخری سانس تک آسمان کی جانب اٹھی ہوئی تھیں اور زبان پر کلمہ حق جاری رہا۔ آج چودہ صدیاں بیت چکی ہیں۔ وطن عزیز چودہ کروڑ عوام ہی نہیں، روئے زمین پر بکھری ہوئی بے بس کل امت مسلمہ کڑھ رہی ہے، پریشان حال ہے، ڈیپریشن کا شکار ہے، تبصرے ہو رہے ہیں، کڑوا لکھا اور بولا جا رہا ہے، گالیاں اور بددعائیں روز شب کا معمول ہے، دل جلے جھنڈے اور پتلے جلا کر اپنی جہالت کی چتا کو آئے روز بڑھکا رہے ہیں، میڈیا، فون، فیکس، انٹرنٹ، راہگیر، چھابڑی والے، امیر و غریب پڑھے لکھے اور ان پڑھ غرض ہر جا ایک ہی روگ پایا جاتا ہے کہ ہے کوئی جو عراق کو ہی بچا لے۔ ان ظالموں کو کوئی روکے۔ ہے کوئی موسیٰ وقت جو اس فرعون کو پلک جھپکتے میں غرق کر ڈالے۔ یہود و نصاریٰ سے متعلق ہر بُری خبر مسلم کے لئے باعث تسکین ہے امریکی خلائی شٹل کے حادثے کا شکار ہونے والوں میں ہندو، عیسائی اور یہودی تھے۔ اس میں کوئی بھی مسلمان نہیں تھا اسکی وجہ اسلام نہیں بلکہ مسلم کا زمین پر بسنا ہے۔ الا ماشاء اللہ کم ہمتی، اندھا جوش اور جہالت اسے دن بدن پستی کی جانب ہ

دھکیل رہی ہے۔ آسمان کی طرف پرواز کرنے والے ہی نیچے گر سکتے ہیں جب کہ زمین پر بسنے والے زیرِ زمین دھنستے چلے جاتے ہیں۔ آج کا مسلم اس انتظار میں ہے کہ نیویارک کی جڑواں عمارتوں اور خلائی شٹل کی طرح کے حادثات آئے روز رونما ہوں اور زمین پر بیٹھا کمزور اور دل جلا مسلم خوشی کے شادیانے بجائے یا پھر عبادت ظاہری کے مان پر زمین پر اکڑ اکڑ کر چلے کہ ابابیلیں اور فرشتے نازل ہونگے اور امریکہ و اسرائیل کو تباہ کر ڈالیں گے۔ اقبال نے کہا تھا:

طویل سجدے اگر ہیں تو کیا تعجب ہے
ورائے سجدہ غریبوں کو اور کیا ہے کام
خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو
وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام

خلائی شٹل میں اگر آج کوئی مسلم بھی ہوتا تو امت مسلمہ شہادت کے نعرے لگاتی ہوئی کسقدر پُروقار دکھائی دیتی۔ امریکہ کی عمارتیں زمین بوس ہوگئیں اسے کوئی فرق نہیں پڑا، شٹل پھٹ گئی مگر اسے کے مصمم ارادوں میں کوئی تغیر نہیں آیا اور اب عراق کی جانب چنگھاڑتا ہوا دوڑا چلا جارہا ہے مگر مسلم ممالک میں اتنا بھی دم خم نہیں کہ اس کی چنگھاڑ کا جواب کلمہ حق سے دیں۔ غلامی کا طوق پہنے اس کی پالیسی کے پیچھے دُم ہلاتے پھر رہے ہیں ہر کسی کو اپنے تخت وتاج اور کرسی کی فکر لاحق ہے۔ جس قوم کے سردار کو عرش تک رسائی نصیب تھی وہ آج خلاء تک پہنچنے سے بھی محروم، زمین پر دھرنا مارے فرعون کے ڈوبنے کے منتظر ہیں۔ کل کے پروانوں نے زندہ جانیں لٹوا دیں، پگھلا دیں، جلا دیں، کٹوا دیں مگر کسی ظالم و جابر اور سفاک کا گھر نہ جلایا، ان کی تباہی و بربادی پر تالیاں نہ بجائیں بلکہ اپنا علم، جان، مال، جذبہ، اولاد، نام ونسب، جاہ وحشمت، گھربار، سکون غرض ہر شے رسول اکرم ﷺ کے قدموں پر نچھاور کردی۔ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کو رومی فوج نے گرفتار کرلیا اور بادشاہ کے سامنے حاضر کیا۔ قیصر روم نے کہا کہ اگر تم عیسائیت قبول کرلو تو تمہیں انعام وکرام کے ساتھ آزاد کر دیا جائے گا۔ عبداللہ بن حذافہؓ نے فرمایا کہ اس سودے بازی سے ہزار گنا افضل ہے کہ قتل کر دیا جاؤں'' قیصر نے غضبناک ہوتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے اس عاشق

کو بھی تختہ دار پر لٹکا کر زندہ بدن پر تیروں کی بارش برسانے کا حکم دے دیا مگر آپؓ کی زبان پر کلمہ حق جاری رہا حتیٰ کہ اس نے ایک بڑی دیگ منگوائی اور اس میں تیل ڈال کر نیچے آگ جلا دی۔ جب تیل کھولنے لگا تو اس نے ایک مسلمان قیدی کو اس کھولتے ہوئے تیل میں پھینکنے کا حکم دیا۔ کھولتے ہوئے پانی میں پھینکتے ہی اس مسلمان قیدی کی کھال ہڈیوں سے الگ ہو گئی۔ قیصر روم نے کہا اب بھی موقع ہے عیسائیت قبول کر لو۔ آپؓ نے پھر با آواز بلند کلمہ شہادت پڑھا۔ بادشاہ نے چارو ناچار عبداللہ بن حذیفہؓ کو بھی کھولتے ہوئے تیل میں پھینکنے کا حکم دے دیا۔

جب آپؓ کو دیگ کے پاس لایا گیا تو آپؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ بادشاہ کو گمان ہوا کہ موت کے خوف سے رو رہا ہے۔ بادشاہ کے استفسار پر آپ نے آزادی کی پیشکش کو ٹھکراتے ہوئے فرمایا۔ مجھے اس خیال نے رلا دیا ہے کہ میرے پاس صرف ایک ہی جان ہے۔ کاش! میرے پاس ہزار ایسی جانیں ہوتیں اور ہر جان کو اس کھولتے ہوئے تیل میں ڈال کر راہ خدا میں قربان کر دیتا۔ قیصر روم اس لافانی جذبہ ایمان پر لرز اٹھا اور کہا کہ آپ جیسا عاشق رسول ﷺ اگر میری پیشانی کو اپنے بوسہ سے نواز دے تو میں اس کے عوض آپ کو تمام مسلمان قیدیوں سمیت رہا کرتا ہوں۔ عبداللہ بن حذیفہؓ نے قیصر روم کی پیشانی پر بوسہ ثبت کر دیا۔

کل کے خبیبؓ نے سجدہ مختصر کر دیا اور امن و امان کی سنہری پیشکش کو ٹھکراتے ہوئے اپنی جان تک کی بازی لگا دی۔ آج کا مسلم اپنے عیش و عشرت سے مزین گھروں میں بیٹھا امریکہ کی تباہی کا آرزومند، طویل سجدوں اور قیام کو ہی اسلام کل تصور کیے ہوئے ہے۔ کل کے عبداللہ بن حذیفہؓ کی قوت ایمانی، فولادی مشن اور اٹل ارادے کے سامنے قیصر و کسریٰ نے گوڈے ٹیک دیئے۔ اسلام کے ان جیالوں کا بوسہ لینا ان کے لئے باعث اعزاز تھا۔ آج کا مسلم نام نہاد سپر پاور کے سامنے جھکا ہوا ڈالروں کو چومتا ہے، امریکہ کے گوڈوں کو ہاتھ لگاتا ہے۔ کل کیا تھا اور آج دین و دنیا کے انعامات کے باوجود اس کے ضمیر کی شٹل زیرِ زمین دھنستی چلی جا رہی ہے۔

چھوٹا منہ بڑی بات

(قدرت اللہ شہابؒ)

نماز کے ساتھ کسی قدر وابستگی پیدا کرنا میرے لئے کافی کٹھن مرحلہ ثابت ہوا۔ یہ بات تو آسانی سے میری سمجھ میں آ گئی کہ مختلف نوعیت کے دنیاوی کلبوں کی طرح اسلام بھی ایک طرح کا عالمگیر کلب ہے۔ دوسرے کلبوں کی رکنیت حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ جو شخص کسی سماجی کلب کا ممبر منتخب ہونے میں کامیاب ہو جائے، اسے کلب کے تمام قواعد و ضوابط پر سختی سے عمل کرنا پڑتا ہے۔ ماہانہ بل اور سالانہ چندہ پابندی سے ادا کیا جاتا ہے اور اپنے اعمال و کردار کو کلب کی روایات کے ساتھ شعوری طور پر ہم آہنگ رکھنا پڑتا ہے۔ ان شرائط کی خلاف ورزی ہو جائے تو کلب کی کمیٹی بلیک بال Black Ball کر کے کسی بھی ممبر کو بلیک بینی و دو گوش کلب کی رکنیت سے خارج کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام کچھ اور ہی طرح کا کلب ہے جو کوئی مسلمان ہو کر ایک بار اس کلب میں داخل ہو گیا، اس کی رکنیت تاحیات ہی نہیں بلکہ بعد از ممات بھی مستحکم طور پر قائم رہتی ہے۔ کلب کے قوانین کے مطابق وہ نماز پڑھے نہ پڑھے، سالانہ چندہ (زکوٰۃ) ادا کرے یا نہ کرے یا کئی دوسری شرائط پر پورا اترے یا نہ اترے۔ یہ اس کے ذاتی افعال ہوتے ہیں جن کا معاملہ فقط اس کے اور اس کے خالق کے درمیان رہتا ہے۔ کسی دوسرے شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ ان کمزوریوں، خامیوں اور بدنظمیوں کی بناء پر کسی ممبر کو اسلام کے کلب سے خارج کر سکے۔

اس کے علاوہ نماز کی ایک اور دلنواز صفت بھی میرے ذہن میں پوری طرح سما گئی دنیاوی حکمرانوں کے علاوہ چھوٹے بڑے رئیسوں، نوابوں اور سرکاری افسروں تک رسائی حاصل کرنے کے لئے جو دوڑ بھاگ، منت خوشامد، سفارش اور دوسرے ہتھکنڈے استعمال میں لائے جاتے ہیں ان کی فہرست طویل ہے لیکن رب العالمین اور احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے صرف باوضو ہونے کی شرط ہے۔ اس کے علاوہ نماز کی نیت باندھنے میں نہ کسی پیر فقیر سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہے، نہ کسی حکومت کے قانون کی پابندی لازمی ہے نہ کسی دفتر سے پرمٹ بنوانا پڑتا ہے۔ نہ کوئی ٹکٹ خریدنے کی شرط ہے۔ نہ کوئی شناختی کارڈ دکھانا پڑتا ہے۔ نہ کسی خاص جگہ یا مقام کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ نہ کوئی پی اے رستے میں حائل ہے نہ کوئی

دربان روکتا ٹوکتا ہے انسان کے لئے اپنے نفس کے علاوہ عبد اور معبود کے اس راز و نیاز میں کوئی حجاب بیچ میں نہیں آ تا۔ یہ تو دوکاندار پیروں فقیروں کی من گھڑت ہے کہ بیعت کے بغیر وہ خاص اسرار نہ بتائیں گے وہ اسرار ہی کونسے ہیں جن کو وہ نہ بتائیں گے؟ جن اسرار کی ضرورت تھی ان کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گلیوں اور بازاروں میں گھوم پھر کر اور پہاڑیوں اور منبروں پر چڑھ کر علی اعلان بیان کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ دین میں کوئی راز ہیں نہ اسرار البتہ اشرار ضرور ہیں۔ جن کی بدولت لوگوں کو جال میں پھنسایا جاتا ہے ایسے جعلی پیر اکثر جاہل ہوتے ہیں۔ یوں منجملہ اسرار کے پانچ فن ہیں۔ کیمیا، لیمیا، ہیمیا، سیمیا اور ریمیا ان میں کسی کا تعلق سونا بنانے سے ہے۔ کسی کا حبس دم سے، کسی کا روح منتقل کرنے کا تصرف حاصل کرنے سے۔ یہ سب دنیادار شعبدہ بازوں، عاملوں اور جوگیوں کے استدراجی کرتب ہیں۔ دین سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں اور نہ ہی تصوف کے حقیقی جوہر سے ان کا کوئی تعلق ہے۔

عقلی طور پر تو میں نے نماز کی آسائش وسہولت اور افادیت کو کشادہ دلی سے تسلیم کر لیا لیکن عملی طور پر بڑی حد تک محرومی کا شکار رہا۔ نماز کا وقت آتے ہی میرے اعصاب پر کاہلی، سستی اور کسلمندی کا ایسا شدید حملہ ہوتا تھا کہ میں مایوس ہو کر یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ ایسی نماز کا فائدہ ہی کیا جو رغبت اور شوق سے ادا نہ کی جائے۔ لیکن ایک روز قرآن کریم کی تلاوت کے دوران سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۴۲ نے اچانک میری آنکھیں کھول دیں۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ ''........اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف آدمیوں کو دِکھلاتے ہیں......''

کسل کا ریاء کے ساتھ مشروط کرنے سے میرے ذہن نے یہ سہارا پایا کہ کسل سے مراد کسلِ اعتقادی ہے۔ کسل طبعی نہیں۔ یعنی طبعی کسل پر ملامت نہیں۔ جس سے غالباً کوئی بھی مبرا نہیں۔ میں نے اپنے دِل کو ٹٹولا، تو اپنی کاہلی اور سستی میں نہ تو اعتقاد کی کمزوری پائی اور نہ ہی ریاء اور نمائش کا دخل محسوس کیا۔

اس کے علاوہ پارہ ۱۷ میں سورۃ الانبیاء کی آیت ۲۱ بھی میرے لئے خضرِ راہ ثابت ہوئی۔'' ان لوگوں سے ان کا حساب نزدیک آ پہنچا اور یہ غفلت میں ہیں۔ اعراض کیے ہوئے ہیں'' اس سے مجھے یہ تسلی ہوئی کہ غفلت مذمومہ وہ ہے جس میں جان بوجھ کر اعراض یعنی ٹال مٹول ہو۔ خالی

غفلت کی مذمت نہیں کیونکہ عادتہً اس سے کوئی خالی نہیں۔ چنانچہ میں نے ہمت کر کے اپنی تمام کاہلی، کسلمندی اور غفلت کے باجود کسی حد تک نماز ادا کرنے کی پابندی اختیار کر لی۔ کافی عرصہ تک نماز گنڈے دار ہی پڑھتا رہا۔ لیکن نیت نیک رکھی۔ علاج کے طور پر دِل میں یہ عقیدہ بھی قائم رکھا کہ شروع میں اگر اعمال پر دوام نہیں ہوتا، تو اس مجموعہ پر ہی دوام کر لینا چاہیے کہ کبھی ہو گیا کبھی نہ ہوا۔ یہ بھی ایک طرح کا دوام ہی ہے، اگرچہ ناقص ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور رکاوٹ بھی راستے کا پتھر بن کر سامنے آ کھڑی ہوئی۔ کبھی نماز میں دل لگتا ہے کبھی نہیں لگتا۔ کبھی ذہن میں سکون ہوتا ہے کبھی انتشار، کبھی وساوس کا ہجوم ہوتا ہے کبھی پریشان خیالیاں حملہ آور ہوتی ہیں۔ نماز کے دوران دِل میں یکسوئی شاذ و نادر ہی نصیب ہوتی تھی۔ اس سے دل میں یہ کھٹک رہتی تھی کہ ایسی ناقص نماز کا کیا فائدہ جو صرف اُٹھک بیٹھک پر مشتمل ہو۔

رفتہ رفتہ ایک بات یہ سمجھ میں آئی کہ عمارت کی تعمیر کے لئے ابتداء میں تو صرف بنیاد مضبوط کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کے خوشنما ہونے کے پیچھے نہیں پڑتے۔ اس میں روڑے پتھر وغیرہ بھر دیتے ہیں اور بعد میں اس پر بڑے عالیشان محل اور بنگلے تعمیر ہوتے ہیں۔ اِسی طرح ناقص عمل کی مثال بھی کامل عمل کی بنیاد کے مترادف ہے۔ بنیاد کی خوبصورتی اور بدصورتی پر نظر نہ کی جائے۔ جو کچھ جس طرح بھی ہو سکے کرتا رہے۔ جیسے نماز گویا ناقص ہی ہو مگر ہو حدود میں وہ ہو جاتی ہے۔ اسی پر عمل کرنے سے نماز کامل کا دروازہ بھی اپنے وقت پر کھلنا شروع ہو جاتا ہے۔

دوسری بات میرے دل میں یہ گھر کر گئی کہ میرے جیسے ناقص العمل انسان کو اگر نماز کامل پڑھنے والوں کی نقل ہی نصیب ہو جائے تو یہ بھی بڑی سعادت ہے۔ رؤساء کے ہاں نقل پر بھی انعام ملتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات زیادہ ملتا ہے۔ اصلی خربوزہ، تربوز، آم، کیلے وغیرہ لے جاؤ تو بازار کے بھاؤ کی عام قیمت ملے گی۔ اگر مٹی یا چینی کے بنے ہوئے نقلی لے جاؤ تو زیادہ انعام ملتا ہے۔ اسی طرح ہماری نماز تو کیا اگر نماز کی نقل ہی ہوتی رہے تو شاید کسی وقت اس پر بھی انعام وارد ہو جائے۔

نماز کے دوران وساوس اور پریشان خیالیوں کے بارے میں ان کے اختیاری اور غیر اختیاری ہونے کا فرق ضرور محسوس اور معلوم کرتے رہنا چاہیے۔ جو وسوسے اور خیالات انسان

اپنے دل میں خود لاتا ہے۔ انہیں روکنا اس کے اپنے اختیار میں ہے اس اختیار کو استعمال کرنا اس کا اپنا فرض ہے۔ اس اختیار کو استعمال میں لانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنی توجہ نماز کے الفاظ کے معانی کی طرف پھیر دے۔ یا اپنا دِل خانہ کعبہ کی جانب مرکوز کر لے۔ دِل میں بیک وقت دو خیالات سمانے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لئے جونہی دِل نماز کے معانی یا خانہ کعبہ کی جانب متوجہ ہوگا۔ اسی وقت وسوسہ کو وہاں سے دیس نکالا مل جائے گا۔

اکیسویں پارہ میں سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۳ میں ارشادِ الٰہی ہے ''اللہ تعالیٰ نے کسی کے سینے میں دو دِل نہیں بنائے...... '' اس میں اس بات کی اصل ہے کہ دِل ایک آن میں دو طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اسی اصول کی بنیاد پر اختیاری وسوسوں کا مندرجہ بالا علاج تجویز کیا گیا ہے۔ اسی سے اس شخص کا جھوٹ بھی ثابت ہوتا ہے۔ جو تسبیح بھی پھراتا رہتا ہے اور باتیں بھی کرتا رہتا ہے۔ اس سے وہ یہ دعویٰ کرنا چاہتا ہے کہ عین باتیں کرنے میں بھی وہ ذِکر الٰہی میں مشغول ہے۔ نام نہاد مدعیوں کا یہ دعویٰ سراسر غلط اور باطل ہے۔

اس کے برعکس جو وساوس اور انتشارات غیر اختیاری طور پر پیدا ہوں۔ ان کی جانب نہ التفات کرے نہ توجہ دے۔ بلکہ انہیں نظر انداز کر کے ایسے گزر جانے دے جیسے چھلنی سے پانی گزر جاتا ہے۔ وسوسہ سے قلب کو خالی کرنے کی طرف متوجہ ہونا یہ خود ایک وسوسہ بن جاتا ہے۔ وسوسہ کی طرف متوجہ ہونا تو اپنے قصد سے ہے گو دفع کا ہی قصد ہو۔ مگر توجہ تو بقصد او ر اختیاری ہوئی۔ اس لئے دلدل کی طرح اس میں اور زیادہ دھنسنے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔ اس کی مثال بجلی کی تار کی طرح ہے کہ اگر دفع کی نیت سے بھی ہاتھ لگایا جائے تب بھی وہ لپٹے گا۔

نماز کے دوران دِل میں غیر اختیاری وساوس آنے کی وجہ سے مایوسی یا پریشانی کا شکار ہونے کی بالکل کوئی ضرورت نہیں۔ دراصل انسان کا قلب تو ایک سپر ہائی وے Super Highway کی مانند ہے۔ اس پر بادشاہی سواریاں بھی گزرتی ہیں۔ امیر کبیر بھی چلتے ہیں۔ غریب اور فقیر بھی گزرتے ہیں۔ خوبصورتوں اور بدشکلوں کی بھی یہی گزرگاہ ہے۔ نیکوکاروں، پارساؤں اور دِینداروں کے علاوہ کافروں، مشرکوں، مجرموں اور گنہگاروں کے لئے بھی یہ شارع عام ہے۔ عافیت اسی میں ہے کہ اس شاہراہ پر جیسا ٹریفک بھی خود بخود آئے، اسے خاموشی سے گزر جانے دیا جائے۔ اگر اس ٹریفک کی طرف متوجہ ہو کر اسے بند کرنے یا اس کا رُخ موڑنے کی

کوشش کی گئی، تو دل کی سڑک پر خود اپنا پہیہ جام ہونے کا شدید خطرہ ہے۔ اس راستے کا ٹریفک سگنل صرف سبز بتی پر مشتمل ہوتا ہے اس میں سرخ بتی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

نماز کے اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی زندگی کا اصل راز یہ ہے کہ دنیا کو قلب سے نکالو۔ گو ہاتھ میں بقدر ضرورت موجود رہے۔ دنیا کا ہاتھ میں ہونا مضر نہیں۔ دل میں سمانا مضر ہے۔ قلب تو بس حق تعالیٰ ہی کے رہنے کی جگہ ہے۔ قلب کو صاف رکھنا چاہیے۔ نہ معلوم کس وقت نورِ حق اور رحمت الٰہی قلب پر جلوہ گر ہو جائے۔ اس کا خاص اہتمام رکھو کہ قلب فضولیات سے خالی رہے جس طرح فقیر اپنے برتن کو خالی رکھتا ہے کہ نہ معلوم کسی وقت کسی سخی کی نظر عنایت ہو جائے۔ ایسے ہی قلب کو خالی رکھو۔ نہ معلوم کس وقت رحمت کی نظر ہو جائے۔

قلب کو دنیا کی فضولیات سے خالی رکھا جائے تو اس میں فروتنی، عجز اور انکسار کے شگوفے کھلتے ہیں ان شگوفوں کی خوشبو عُجب اور کبر کی بدبو کو نکال باہر کرتی ہے۔ عُجب میں انسان دوسرے کو تو حقیر نہیں سمجھتا لیکن اپنے آپ کو عظیم سمجھتا ہے۔ کبر میں دوسرے کو بھی حقیر سمجھتا ہے۔ یہ رذائل قلب کی صفائی کو گندگی سے آلودہ کر دیتے ہیں۔ اس غلاظت سے نجات حاصل کر کے اگر قلب کو عجز و انکسار کی پستی میں بچھا دیا جائے تو اس کا رُخ پاکیزگی کے پرنالے کی جانب مڑ جاتا ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ

ہر کجا پستی است آب آں جارود
ہر کجا مشکل جواب آں جارود
ہر کجا دردے دوا آں جارود
ہر کجا رنجے شفا آں جا رود

(پانی نشیب ہی میں جاتا ہے۔ جہاں کوئی مشکل ہوتی ہے اسی کے حل کے لئے جواب ملتا ہے۔ جہاں درد ہو وہاں دوا کام آتی ہے۔ جہاں کوئی مرض ہو اسی سے شفا نصیب ہوتی ہے)

کہہ دینے کی حد تک تو یہ ایک معمولی سی، چھوٹی سی بات ہے کہ قلب کو فضولیات سے خالی رکھنا چاہیے لیکن اس پر عمل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ قدم قدم پر بار بار ناکامی، مایوسی اور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن میرا تجربہ ہے کہ اگر ثابت قدمی کے ساتھ انسان اس کوشش میں لگا رہے تو رفتہ رفتہ اس کا نخل تمنا ضرور سرسبز ہونے لگتا ہے۔ اگر اس کی خواہش کے مطابق اس

کوشش کا نتیجہ خاطر خواہ نکلتا ہوا نہ بھی محسوس ہو پھر بھی اس لگے رہنے میں ہی لگے رہنا چاہیے۔اس سعی اور کاوش میں اس مقولے کو پیشِ نظر رکھنا تقویت دیتا ہے۔

یابم او را یا نیا بم جستجو می کنم
حاصل آید یا نیا ید آروزئے می کنم

(اس کو پاؤں یا نہ پاؤں اس کی طلب میں لگا رہوں گا۔ وہ ملے یا نہ ملے اس کے ملنے کی آرزو برابر کرتا رہوں گا)

برسوں کی ریاضت، مجاہدہ اور کوشش کے بعد اگر یہی احساس حاوی رہے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ تو درحقیقت اس کو سب کچھ حاصل ہو گیا۔ لیکن جونہی کسی کے ذہن میں یہ خیال اُبھرا کہ اب میرا قلب عاجزی اور انکساری کا مسکن بن گیا ہے تو خطرہ ہے کہ شاید وہ پہلے سے بھی زیادہ کبرِ عظیم میں مبتلا ہو گیا ہو۔ اس دودھاری تلوار سے بچ بچ کر چلنا ہی کامیابی کا اصلی راز ہے۔

(جاری ہے)

ضروری اطلاعات

راولپنڈی کے بھائی سید رضا علی شاہ صاحب اور محمد فضل اللہ خان صاحب اور ملتان کے بھائی محمد عاصم صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔

تمام برادران سے التماس ہے ان کی مغفرت اور ترقی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

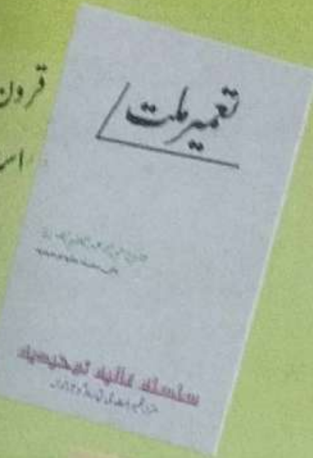
ایک کالا شاپر جسمیں جھنگ کا بس ٹکٹ اور ایک کریم رنگ کا ڈیزائن والا سوٹ ہے۔ وہ جس کسی بھائی کا ہو وہ مرکز سے رابطہ کرلے۔

ایک سیاہ بیگ جس میں کچھ ادویات اور ایک سوٹ تھا۔ جو غلطی سے کوئی بھائی لے گیا ہے۔ حکیم محمد اسلم شاہ بخاری صاحب کا ہے جس بھائی کے پاس ہے وہ مرکز سے رابطہ کرے۔ شکریہ

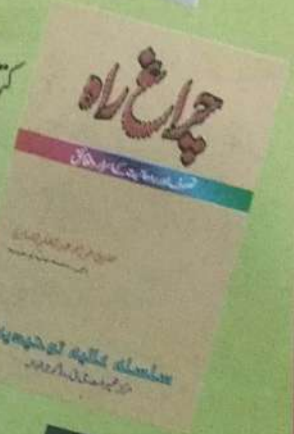
زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالےٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بےبس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- نکبت و ادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں

بانی سلسلہ کی دیگر تصانیف



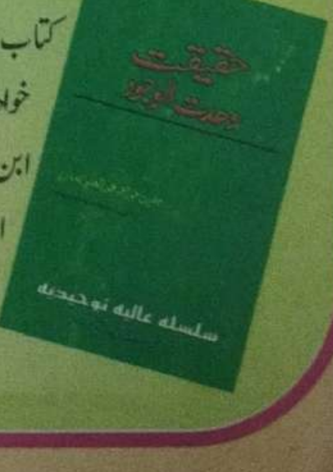
قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



کتاب ہذا وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے
خواجہؒ صاحب نے ذاتی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کیا
ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق۔
انسان کی بقا اور ترقی کیلئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔